یہودیت اور عالم اسلام
(تاریخی جائزہ)

ڈاکٹر ظفر اللہ بیگ،
اسسٹنٹ پروفیسر بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد۔

قوم یہود کی تاریخ باقی اقوام و مذاہب کی مذہبی، سیاسی اور تمدنی تواریخ سے کئی لحاظ سے مختلف اور انوکھی ہے۔ اس کی بڑی وجہ ان کا خدا کے پیغمبروں کی تعلیمات سے انکار اور سرکشی ہے۔ البتہ اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ دنیا کی تہذیبی، معاشرتی اور معاشی ترقی میں اس قوم کا بڑا حصہ رہا ہے۔ خدا سے کیے گئے عہد کو توڑنے اور نافرمانی میں یہ اپنی مثال آپ تھے۔ قومی سطح پر ان کے افعال اور اعمال اس قدر پستی کا شکار ہوگئے کہ دو ہزار سال قبل خدا نے ان پر اپنا غضب نازل کیا۔ رومیوں نے ان کو یروشلم سے نکال دیا اور ہیکل کو تباہ کر دیا۔ یہود دو ہزار سال تک دنیا کے مختلف علاقوں میں بھٹکتے رہے ان کے لیے کوئی جائے پناہ نہ تھی ان کی سازشوں اور شرارتوں کے باعث ان کا دنیا کے کسی بھی ملک میں رہنا مشکل تھا۔ آخرکار ایک طویل جلاوطنی اور مغربی طاقتوں کی سازشوں کے پیہم سلسلہ کے بعد انہوں نے فلسطین میں اپنی حکومت اسرائیل قائم کی جس کی بنیاد ناانصافی اور فلسطینیوں کے حقوق کی پامالی پر ہے۔

تاریخی پس منظر

ہم یہود کی قدیم تاریخ پر ایک نظر ڈالتے ہیں تاکہ اس قوم میں تدریجی طور پر پروان چڑھنے والی ملی اقدار سے شناسائی حاصل ہو سکے۔ مورخین تاریخی عوامل کے نتیجے میں پیدا

ہونے والے قومی اور معاشرتی رجحانات اور مذہبی طرز فکر کے مطالعے کو خصوصی اہمیت کا حامل قرار دیتے ہیں، کیونکہ اس سے کسی قوم کا حقیقی تشخص اور کردار نمایاں ہوتا ہے۔ فلسطین کے علاقے کا قدیم نام جو عہد نامہ عتیق Old Testament میں آیا ہے وہ کنعان ہے، یہ خطہ موجودہ اردن اور جنوب مشرقی بحیرہ روم کا علاقہ تھا۔ اس خطے کا نام ابتداء میں پیلش ٹم Pelishtim، فلسطیہ Philistia اور پھر فلسطین Palestine ہوا۔ اس میں آباد اقوام تاریخ کے مختلف ادوار میں نقل مکانی کرتی رہیں۔ اس علاقے اور اس کے گرد ونواح کی جغرافیائی اور تجارتی اہمیت کے پیش نظر قرب و جوار کے قبائل اس پر حملے کرتے اور یہاں کے وسائل سے فائدہ اٹھاتے تھے۔ اس سرزمین پر حوری Hurrians، حتی Hittites، کسائی Kassites، مدینی Midianites، عموری Amorites، موآبائی Moabites، امونائی Ammonites، کنعانی Canaanites، فونیقی Phoenicians، آرامی Arameans، یونانی Greeks، رومی Romans، عرب Arabs اور یہودی Jews تاریخ کے مختلف زمانوں میں قابض رہے۔

سرزمین فلسطین سے جو آثار قدیمہ ملے ہیں ان میں بارہ ہزار سال سے دس ہزار سال ق م کے حجری آثار موجود ہیں۔ فلسطین کے علاقے اریحہ (Jericho) سے پانچ ہزار سال ق م کے تاریخی آثار دریافت ہوئے ہیں جس سے اس عہد کے تہذیبی و تمدنی حالات کا پتہ چلتا ہے۔(۱) اسرائیل کی قدیم تاریخ مصری مآخذ اور جدید عہد میں آثار قدیمہ کے اکتشافات کی روشنی میں مرتب کی گئی ہے، یہ زمانہ علمائے تاریخ نے تین ہزار سال ق م متعین کیا ہے۔ اس خطے پر دو بڑی تہذیبوں کے آثار نمایاں ہیں ان میں ایک مصری اور دوسری عراقی Mesopotamian) ہے۔ تقریباً اسی عہد میں ہمیں فلسطین میں کنعانی آباد ملتے ہیں۔ یہ سامی النسل تھے، انہوں نے کوئی مربوط تہذیب قائم نہ کی بلکہ بکھرے بکھرے رہے ان میں باہمی اتحاد اور ملی یک جہتی کا کوئی تصور نہ تھا۔ چھوٹی چھوٹی قبائلی ریاستیں ہمیشہ آپس میں برسرپیکار رہتی تھیں۔ کنعانی بادشاہوں کو سیاسی اور مذہبی سیادت حاصل تھی ہر بادشاہ قادر مطلق خدا جس کو ایل (El) کہا جاتا تھا، کا نمائندہ ہوتا۔ بادشاہ کا شاہی

منصب اسے بہت سے دیوی دیوتا عطا کرتے تھے۔ بادشاہ کا یہ فرض ہوتا تھا کہ وہ دیوی دیوتاؤں کے لیے مقدس عبادت گاہیں بنائے، مذہبی رسومات انجام دے اور لوگوں پر اچھے طریقے سے حکمرانی کرے۔ اگر بادشاہ یہ تمام فرائض ادا نہ کرتا یا بیماری اور کسی عارضے کی وجہ سے ایسا کرنے سے قاصر ہوجاتا تو دیوی دیوتا ناراض ہوجاتے، اس کے نتیجے میں قحط پڑ جاتا، وبائیں پھوٹ پڑتیں اور فصلیں تباہ ہوجاتیں جب بادشاہ عمدہ اور شاندار طریقے سے مذہبی رسومات بجا لاتا تو دیوی دیوتا خوش ہو کر رعایا کو مادی طور پر خوشحال کر دیتے۔

قدیم عہد کے کنعانی عقیدے اور دیوی دیوتاؤں کے ناموں کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی بہت بڑی تعداد تھی البتہ اب ان کے محض نام ہی باقی رہ گئے ہیں۔ ہمیں اس بات کا پتہ نہیں چلتا کہ کون سی دیوی یا دیوتا کیا کام کرتے تھے اور ان کی کیسے پوجا کی جاتی تھی البتہ ان تمام کا سربراہ اور قادرِ مطلق ایل ایک دانا، عظیم، مہربان اور رحم کرنے والی ہستی سمجھا جاتا تھا، اس کو تمام دنیا کا مالک و خالق قرار دیا جاتا تھا۔ ایل کے بعد جس دیوتا کی پوجا کی جاتی تھی وہ بعل (Baal) تھا جس کے لغوی معنی آقا یا حاکم کے ہیں اس کو بادلوں کی گرج اور طوفانوں کا دیوتا بھی کہا جاتا تھا۔ اس کی ہستی کے متنوع پہلو تھے۔ یہ ایک شہزادہ Prince تھا اور تمام زمین کا مالک تھا اس کا بسیرا سافون پہاڑی Saphon Mount پر تھا جو اب شمالی شام میں واقع ہے، اسی جگہ دیوی دیوتا اکٹھے ہوتے تھے۔ بعل کے متعلق یہ عقیدہ بھی تھا کہ وہ ایک عظیم جنگجو ہے اس نے سمندر کے دیوتا یام (Yam) کو شکست دی ہے، بعل دیوتا پر صرف موت دیوتا (Mot) نے فتح پائی اس دیوتا نے اس کو ختم کر دیا لیکن اس کی بہن انات (Anat) نے موت دیوتا کی منت سماجت کی اور بعل کو دوبارہ زندہ کرایا۔ بعل دیوتا کی موت و حیات کو زمین پر سبزے کے خشک اور ہرے ہونے سے تشبیہ دی جاتی ہے اور اسے زرخیزی کا دیوتا بھی مانا جاتا ہے۔(۲) بعل سورج دیوتا کا قائم مقام بھی مانا جاتا تھا۔ قرآن کریم میں بعل کا ذکر موجود ہے، سورہ الصٰفت ۱۲۵/۳۷ میں ہے:

''اور الیاس بھی رسولوں میں سے تھا جب اس نے اپنی قوم سے کہا کیا تم تقویٰ

اختیار نہیں کرتے کیا تم بعل کو پکارتے ہو اور سب سے بہتر پیدا کرنے والے کو چھوڑتے ہو'' (۳)

اس آیت میں بعل دیوتا کی پوجا کا ذکر ہے جس کو لوگ حاجت روا مانتے تھے۔ حضرت الیاسؑ نے کنعانیوں کو ان کی پرستش سے منع کیا اور توحید کا درس دیا تو سامریہ کا اسرائیلی بادشاہ اخی اب ان کا مخالف ہوگیا۔ حتیٰ کہ انہیں جزیرہ نما سینا کے پہاڑوں پر پناہ لینا پڑی۔ (۴) بعل کے متعلق اسرائیلیات میں کئی قصے کہانیاں درج ہیں۔ (۵)

بعل کے بعد دوسرا اہم دیوتا مولک Molak تھا، اس کے آگے قربانیاں دی جاتیں بلکہ بچوں کی قربانیاں بھی دی جاتیں۔ بنی اسرائیل کو حضرت موسیٰؑ نے خدا واحد کا نام یہوواہ Yahwah بتایا۔ کتاب خروج ۶-۳ میں ہے ''پھر خدا نے موسیٰؑ کو فرمایا کہ میں خدا ہوں اور میں نے ابراہیم، اسحاق اور یعقوب پر خدائے قادر مطلق کے نام سے اپنے آپ کو ظاہر کیا اور یہوواہ کے نام سے ان پر ظاہر نہ ہوا''۔

کنعانیوں کی مذہبی رسومات اور عقائد کے متعلق جو تفاصیل ملتی ہیں ان کے مطابق وہ عبادت گاہوں کے علاوہ پہاڑوں، دریاؤں کے کناروں اور غاروں میں مذہبی عبادات ادا کرتے تھے۔ پتھر کا ایک بت تراشا جاتا اور ایک لکڑی کا لٹھ نما بت بنایا جاتا۔ پتھر کا بت دیوتا کو ظاہر کرتا اور لٹھ دیوی کی مظہر سمجھی جاتی، ان کو عبادت گاہوں کے باہر رکھا جاتا اور ان کے لیے قربانیاں ادا کی جاتیں۔ جانوروں کی قربانیوں کے علاوہ کبھی کبھار انسانی قربانی بھی دی جاتی۔ بعض افراد تمام رات عبادت گاہ میں بسر کرتے اور دیوی دیوتاؤں سے احکام حاصل کرتے۔ پیشین گوئیاں کرنے والے کاہن یہ الہامات اور خواب لوگوں تک پہنچاتے تھے۔ مستقبل کے حالات بتانے کے لیے کئی طریقے اختیار کیے جاتے، کبھی کبھار قربانی دیئے گئے جانوروں کی انتڑیوں سے حساب لگایا جاتا اور کبھی بارش کے قطروں یا شبنم کے قطروں کو مخصوص طریقے سے جمع کر کے آئندہ کے واقعات بتائے جاتے تھے۔ (۶)

کنعانی مذہب میں انسانوں کے فنا اور دیوتاؤں کے لافانی ہونے کا عقیدہ عام تھا۔ انسانوں کو دیوتاؤں کے خادم کہا جاتا جو انسانی عمر اور زندگی کے مالک تھے۔ سچے خادم مادی فلاح اور لمبی عمر پاتے تھے۔ نافرمان لوگ تکالیف اور مشکلات میں مبتلا رہتے۔ اس عقیدے کی رو سے انسان کے تمام اعمال اور افعال کا بدلہ اس دنیا میں مل جاتا، آئندہ کی زندگی کا کوئی تصور نہ تھا۔ مردہ انسان کی روح ان ارواح کے ساتھ جا ملتی تھی جو زمین کے نیچے رہتی تھیں، اس کو روح کا دوسری ارواح سے اتصال کہا جاتا تھا۔ زمین کا سب سے نچلا حصہ پاتال ارواح کا مسکن کہلاتا تھا۔

فِلسطی (Philistines)

۱۲۰۰ ق م میں فلسطیوں نے کنعان کے علاقے پر قبضہ کر لیا۔ انہوں نے شہری ریاستوں کی ایک کانفیڈریشن بنائی اور کئی معبد تعمیر کیے۔ ان معبدوں کو دیوتا داغون (Dagon) دیوتا بعل ذی بوب (Baalzebub) اور دیوی اشتورت (Ashtoreth) کے نام منسوب کیا گیا۔ عہد نامہ عتیق اور یہود کی مقدس کتب میں ان کے بارے میں کئی ڈرامائی کہانیاں ملتی ہیں۔ ان میں ہی ہمیں حضرت داؤدؑ کا ذکر ملتا ہے۔ (سیموئل اوّل ۱۷-۳۱-۵۸)۔ قرآن حکیم میں بھی حضرت داؤدؑ کی بادشاہت اور سیاسی رہنمائی کا تذکرہ موجود ہے۔ جس میں نصیحت اور تعلیم کا پہلو غالب ہے۔

فلسطیوں نے کنعان پر تسلط جمائے رکھا جو زیادہ عرصے تک جاری نہ رہا اور یہودیوں کے حملوں کے بعد اس علاقے پر ان کا قبضہ ہوتا چلا گیا۔ فلسطی اور یہودی اقوام کے درمیان اقتدار کی کشمکش طویل عرصے تک جاری رہی۔ آخر کار یہود غالب آ گئے۔ ان کے باہمی اختلاط کے باعث یہودی عقائد اور تہذیب پر بہت گہرے کنعانی اثرات مرتب ہوئے۔ عبرانی کتب اور آثار قدیمہ میں کنعانی تہذیب و تمدن کے عناصر کی جھلک زبان، لٹریچر، قوانین اور رسومات میں واضح طور پر پائی جاتی ہے۔ (۷)

کنعان پر قابض ہونے کے باوجود یہود کی حیثیت ایک منفرد قوم کے طور پر تشکیل نہ پا

سکی، ان کا قومی اور ملی تشخص مصر سے جلاوطنی کے بعد کے زمانے میں ابھرا جب حضرت موسیٰؑ نے ان کی رہنمائی کی۔ ان کو احکام عشرہ عطا کیے اور فرعون مصر کے تسلط سے آزاد کرایا، البتہ مذہبی لٹریچر میں یہود کی تاریخ کا عہد حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسحاقؑ، حضرت یعقوبؑ اور ان کے بارہ بیٹوں سے شروع ہوتا ہے۔(۸)

قرآن حکیم میں حضرت ابراہیمؑ کی دعوت کا تذکرہ ہے، انہوں نے شام وفلسطین میں اپنے بیٹے اسحاقؑ اور اندرون عرب حضرت اسماعیلؑ کو مامور کیا اور پھر اللہ کے حکم سے کعبہ کی تعمیر کی۔ حضرت ابراہیمؑ کی نسل سے دو بڑی شاخیں نکلیں۔ ایک حضرت اسماعیلؑ کی اولاد جو عرب کہلائی اور دوسرے حضرت اسحاقؑ کی اولاد جن میں حضرات انبیاء یعقوبؑ، یوسفؑ، موسیٰؑ، داؤدؑ، سلیمانؑ، یحییٰؑ، عیسیٰؑ ہوئے۔ حضرت یعقوبؑ کا نام اسرائیل تھا اس لیے یہ نسل بنی اسرائیل کہلائی۔

بنی اسرائیل کو فرعون مصر کی غلامی سے حضرت موسیٰؑ نے نکالا۔ انہوں نے اپنی قوم کو بحرقلزم پار کرا کر صحرائے سینا میں ٹھہرایا۔ جہاں بنی اسرائیل کو خدائی احکامات مقدس تختیوں پر لکھے ہوئے ملے مگر آپ کی عدم موجودگی میں انہوں نے خدا (یہواہ) کی بجائے ایک بچھڑے کی پوجا شروع کر دی۔ قرآن کریم کی متعدد سورتوں میں بنی اسرائیل کے جرائم، نافرمانیوں اور بدعہدیوں کا واضح طور پر ذکر کرتا ہے۔ ان کا شاندار عہد حضرت سلیمانؑ کا زمانہ ۱۰ ویں صدی ق م تھا۔ انہوں نے ہیکل سلیمانی کی تعمیر کی۔ آپ کے بعد بنی اسرائیل کے دور انحطاط کا آغاز ہوا جس کا ذکر عہدنامہ عتیق باب سلاطین دوم (۱۷:۱۴-۱۸) میں اسی طرح مذکور ہے کہ بنی اسرائیل نے بار بار خدا کی نافرمانی کی، غیر معبودوں کو مانا، ان قوموں کے آئین اپنائے جن کو ہٹا کر خدا نے بنی اسرائیل کو اقتدار دیا تھا۔ خدا کو غصہ دلانے کے لیے شرارتیں کیں، بتوں کی پوجا کی جس کی خدا نے سختی سے ممانعت کی تھی۔ خدائی احکام کو پس پشت ڈالا، اپنے باپ دادا کی طرح جو خداوند اپنے خدا پر ایمان نہیں لائے تھے گردن کشی کی۔ خدائی عہد کو توڑا۔ اپنی ڈھالی ہوئی مورتیاں یعنی دو بچھڑے بنا لیے اور بعل کی پوجا کی، انہوں نے اپنے بیٹے اور بیٹیوں کو آگ میں جلوایا اور فال گیری اور جادوگری سے کام لیا اور بدی کر کے خدا

کو غصہ دلایا۔ خدا ان سے ناراض ہوا اور اپنی نظر سے انہیں دور کر دیا۔(۹) عہد نامہ عتیق کے مقابلے میں قرآن حکیم یہود کو خدا کے نافرمان، اس کے احکامات کو اپنی مرضی سے بدلنے والے، ناشکرے، انبیاء کے قاتل اور حق کے منکر قرار دیتا ہے۔(۱۰)

شمالی فلسطین میں اسرائیل کی قائم سلطنت کو اسیریا کے شاہ سارگن دوم نے ۷۲۱ ق م میں تباہ کر دیا اور بہت سے لوگوں کو قیدی بنا لیا۔ یہود کی بچی کھچی جنوبی سلطنت کو ۱۳۸ سال بعد ۵۸۶ ق م میں بابل کے شاہ بخت نصر نے تاخت و تاراج کر دیا اور ہیکل سلیمانی کو مسمار کر دیا۔ اس کا ذکر بھی قرآن کریم (بنی اسرائیل ۴-۵) اور عہد نامہ عتیق باب سلاطین میں مذکور ہے۔ ان حادثات کے بعد یہودی قوم بکھر گئی، ان کا کوئی مرکز باقی نہ رہا۔ اس عہد کو یہود کی جلاوطنی کے عہد (Diaspora) کا آغاز کہا جاتا ہے، اس عہد میں یہودی اپنے معبدوں (Synagogue) میں جمع ہوتے اور اپنے ربیوں سے رہنمائی حاصل کرتے۔ جب ایرانی شاہ سائرس(Cyrus) نے ۵۳۹ ق م میں بابل فتح کر لیا تو اس نے یہود کو واپس اپنے ملک جانے کی اجازت دے دی، ان میں سے چالیس ہزار یہود واپس یروشلم آئے اور ہیکل کی تعمیرِ نو کی۔ ان کی رہنمائی حجی اور زکریا نبی نے کی۔ وہ یہودی جو بابل (عراق) میں رہ گئے تھے انہوں نے اپنے ادارے بنائے، دولت جمع کی اور توریت پر عمل کیا۔ واضح رہے کہ یہود کی اصطلاح میں توریت عہد نامہ عتیق کی پانچ کتابیں ہیں جو حضرت موسیٰ سے منسوب ہیں، یعنی کتاب پیدائش، خروج، احبار، گنتی اور استثناء ان کو کتب خمسہ Pentateuch بھی کہا جاتا ہے۔ بابل میں بسنے والے یہود میں سے عزرا نبی اور ان کے پیروکار ۴۸۵ ق م میں یروشلم آئے تا کہ ہیکل تعمیر کریں۔ اس کے بعد نحمیاہNehemiah نبی آئے تا کہ یہود کو خدا کے احکام پر عمل کرنے کی تلقین کریں۔(۱۱) اس عہد میں ہمیں یہود کے سیاسی، معاشی اور معاشرتی مسائل کے ساتھ ساتھ دو اہم باتوں کا پتہ چلتا ہے جس کے لیے انہیں رہنمائی کی ضرورت تھی۔ ایک تو توریت کے احکامات پر عمل اور دوسرے غیر یہود سے شادیاں کرنا۔ عزرا نبی نے ان کو غیر یہود سے شادی کرنے سے منع کیا تا کہ ان کا ملی تشخص برباد نہ ہو، ان انبیاء نے جو حکومت قائم کرنے کی کوشش کی اس میں

یہودی ربیوں اور ان کے احبار و ربیان کو گہرا عمل دخل تھا۔

چھٹی سے چوتھی صدی ق م میں جب یہود کے ایران سے قریبی تعلقات تھے تو ایرانی تہذیب اور عقائد کا ان کے تمدن و معاشرت پر اثر پڑا، انہوں نے انبیاء کی تبلیغ اور رہنمائی کے باعث توحید کے عقیدے کو سختی سے اپنایا۔ ۳۳۲ ق-م میں یہود یونانیوں کے زیر اثر آ گئے، یونانی طرز حیات، تعلیم، کھیل، تھیٹر، لائبریریوں اور ثقافتی سرگرمیوں کا دور دورہ شروع ہوگیا۔ یونانی شاہ انتی اوکس (Antiochus) (۱۷۵ق-۱۶۴ق) نے اس عمل کو تیز کر دیا۔ یہودی چونکہ اپنے مذہبی رہنماؤں کے زیر اثر تھے۔(۱۲) جس کو کم کرنے کے لیے یونانی حکمرانوں نے بعض اقدامات کیے۔ انتی اوکس نے ختنہ ممنوع قرار دیا۔ توریت رکھنا جرم قرار دیا اور میت کی حرمت ختم کر دی۔ اس نے ہیکل میں زیس Zeus دیوتا کا معبد بنایا جہاں سور کی قربانی ہوتی۔ یہودیوں نے ان احکامات کو ماننے سے انکار کر دیا۔ انہوں نے ایک یہودی ربی متاتھیس Mattathias کی سربراہی میں بغاوت کر دی۔ حکومتی جبر و استبداد کے باعث یہ ربی پانچ بیٹوں اور پیروکاروں کے ساتھ صحرا کی طرف بھاگ گیا۔ اسی کے بیٹے یہودہ مقابی Judas Maccabaeus نے ۱۶۵ ق م میں اپنی افواج کے ساتھ یروشلم پر حملہ کر کے ہیکل سلیمانی میں یہودی طریقہ عبادت بحال کیا۔ اس کی فتح کے تہوار کو حنوکہ Hanukkah کے نام سے آج تک منایا جاتا ہے۔ ۶۳ ق م میں یہودیوں کے بعض گروہوں کے درمیان خانہ جنگی شروع ہوگئی، انہوں نے رومن جنرل پامپائی کو ثالث کے طور پر شام بلوایا لیکن اس نے آ کر یروشلم پر قبضہ کرلیا اور اسے رومی سلطنت کا حصہ بنا لیا۔(۱۳)

مذہبی طبقے

یہودیوں کے بڑے بڑے گروہوں میں صدوقی اور فریسی تھے۔ صدوقی آزاد خیال اور یونانی تمدن کے دلدادہ تھے، جب کہ فریسی یہودی اقدار کے رسیا تھے، وہ یہود کی بادشاہت اور خدا کے مسیح کی آمد کا شدت سے انتظار کر رہے تھے تاکہ ان کی آزاد سلطنت قائم ہو۔ ان دو گروہوں کے

علاوہ دوسرے مذہبی طبقات میں رومن حکومت کے حامی ہرودین Herodian رومن اقتدار سے باغی Zealots اور ایسینی Essenes شامل تھے جو غاروں میں رہتے تھے اور دنیا کے خاتمے کے منتظر تھے۔ ۱۹۴۷ء میں وادی قمران سے جو قدیم دستاویزات Dead sea scrolls ملی ہیں ان کی روشنی میں ان کے نظریات سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ ایسینی فرقہ کے عقائد موجودہ عیسائی عقائد سے مختلف تھے۔(۱۴)

رومی بادشاہ ہیرودوتس کے عہد میں حضرت عیسیٰؑ پیدا ہوئے۔ حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کے وقت یہودیت کے مذہبی پہلو پر ایک نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ یہودی احبار اور ربی دین کے اجارہ دار بن چکے تھے۔ قرآن ان احبار و رہبان کے لیے فرماتا ہے کہ یہ لوگوں کے مال باطل طریقوں سے کھاتے اور ان کو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں۔ (التوبہ آیت ۳۴) حضرت عیسیٰؑ نے بھی ان مذہبی پیشواؤں کی مذمت کی جو حق کے داعی ہونے کی بجائے خدا کے حکم کو بدل اور ٹال دیتے تھے۔(۱۵)

یہود کی مذہبی کتب

یہودی خدا کی وحدانیت کو مانتے ہیں اور خدا کی طرف سے پیغمبروں کے ذریعے رہنمائی پر یقین رکھتے ہیں۔ وہ حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا نبی اور مسیح نہیں مانتے وہ صرف عہدنامہ قدیم یا عتیق پر یقین رکھتے ہیں جو مروجہ بائبل کی کل ۳۹ کتابیں بنتی ہیں ان کی تقسیم اس طرح کی جاتی ہے:

۱۔ کتاب قانون یا توریت Torah : پیدائش، خروج، احبار، گنتی، استثناء

۲۔ انبیاء (Neviim) : کتاب یشوع، قضاۃ، سیموئل، سلاطین۔ ان کو انبیائے ماقبل کہا جاتا ہے۔ ان کا زمانہ ۱۳ ویں صدی ق م سے چھٹی صدی ق م کا ہے مابعد کے انبیاء میں یسعیاہ، یرمیا، حزقیل شامل ہیں دیگر بارہ انبیاء کو چھوٹے نبی کہا جاتا ہے، یہ ہوسیا، یوایل، آموس، عبدیاہ، یوناہ (یونس)، مکاہ، ناحوم، مبقوق، صفنیاہ، حجی، زکریا اور ملاکی ہیں۔ ملاکی نبی کے بعد عہد نامہ عتیق ختم ہو جاتا ہے۔

۳۔ تحریرات Writings یا Ketuvim: تحریرات میں کتاب زبور، امثال اور واعظ کے علاوہ ایوب، غزل الغزلات (کتاب سلیمان)، روتھ، نوحہ (Lamentation) استر، عزرا نحمیاہ، تواریخ اور دانیال شامل ہیں۔

توریت Torah

یہود کی مقدس کتاب توریت ایک طویل عرصے میں جو چھ سے سات سو سال پر محیط ہے مرتب ہوئی۔ اس میں بنی اسرائیل کی تاریخ، مصر سے خروج اور حضرت موسیٰؑ کی رہنمائی اور دعوت و تبلیغ کا ذکر ہے۔ اس سے پہلے کتاب پیدائش میں کائنات کی ابتداء اور قدیم انبیاء کا تذکرہ ہے۔ گذشتہ صدی میں اس بات پر بہت تحقیق کی گئی کہ توریت کے مرتب کون لوگ تھے۔ اس کی تاریخ اور عہد کون سا تھا اور یہ کن ادوار میں گم ہوئی اور پھر مل گئی۔ جدید محققین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہودیوں نے بابل میں جلاوطنی کے زمانے یعنی چھٹی صدی ق م میں اس کو ایک صورت دی اس کے بعد یہ متعدد بار برباد ہوئی، گم ہوئی اور دوبارہ مرتب ہوئی، عبرانی سے آرامی اور یونانی میں تراجم کے دوران تحریف کا شکار ہوئی۔ البتہ یہودی اس کو محرف قرار نہیں دیتے۔(۱۶)

انبیاء Prophets

عہدنامہ قدیم میں بہت سے تاریخی واقعات، نصائح اور پیشین گوئیاں انبیاء سے منسوب ہیں، اگرچہ ان کا وہ مقام نہیں جو توریت کا ہے پھر بھی ان کو اہم سمجھا جاتا ہے۔ ۲۰۰ ق م کے لگ بھگ ان کو مذہبی کتب کا حصہ مان لیا گیا ایسے ہی دوسری صدی عیسوی میں پائی جانے والی تحریروں کو دینی عقیدے کا جزو قرار دے دیا گیا۔ توریت کے فوراً بعد یشوع، قضاۃ، روت، سیموئل اور سلاطین کی کتب شروع ہو جاتی ہیں۔ یہ کتب بابل کی اسیری سے قبل مدون کی گئیں۔ کتاب یشوع میں یہود کی فتوحات اور کنعان میں آبادکاری، قضاۃ میں کنعان میں بادشاہت کے قیام، سیموئل اوّل و دوم میں طالوت و جالوت کی لڑائی، حضرت داؤدؑ کی فتوحات، اور سلاطین میں حضرت سلیمانؑ کے واقعات مذکور ہیں۔ بعد کے انبیاء کی کتب میں اخلاقی اور مذہبی تعلیم اسرائیل کی تباہی اور عروج و زوال کی

داستان درج ہے۔

تالمود اور مدراش Talmud & Midrash

یہود کی عہد نامہ قدیم پر تفاسیر، روایات اور نصائح کو تالمود کہا جاتا ہے اس مجموعے کو زیادہ تر یہودی فریسیوں نے مدون کیا۔ اس کے دو حصے ہیں: ایک مشنہ (Mishnah) یا دوسرا قانون کہلاتا ہے جو دوسری صدی ق م میں مرتب ہوا اس کو بابلی تالمود بھی کہتے ہیں، دوسرے حصے کو گمارا(Gemara) کہا جاتا ہے جو تیسری صدی عیسوی کے اوائل میں تیار ہوا، اس میں یہودی تعلیمات اور قوانین درج ہیں۔ مدراش ان ادبی شہ پاروں کا مجموعہ ہے جو مقدس کتاب کی تشریح کے لیے تیار ہوئے ان میں یہودی قانون اور عمومی معاملات پر بحث کی گئی ہے۔ عہدنامہ قدیم کے بعد تالمود اور مدراش کو اہم حیثیت حاصل ہے۔ یہودیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ جب خدا نے حضرت موسیٰؑ کو کوہ طور پر الواح عطا کیں ان کے بعد زبانی توریتOral Torah اور روایات کا سلسلہ قائم ہوگیا جس کو بعد میں مدون کیا گیا۔(۱۷) انبیاء کی کتب کی تشریح اور تفاسیر کو مدراش کا نام دیا گیا جس کے لفظی معنی چھان بین کے ہیں۔

غیر مصدقہ یہودی لٹریچر Non-Canonical Material

یہودی جب یونانیوں اور رومیوں کے ماتحت تھے اس وقت ان کے ربیوں نے بہت سا مواد مرتب کیا جو قدیم مذہبی روایات، واقعات، یہودی تاریخ اور نصائح پر مشتمل تھا۔ یہ عبرانی، آرامی اور یونانی زبان میں تیار ہوا اس کا زمانہ ۲۰۰ اور ۱۰۰ ق م کے درمیان تھا۔ اسی عہد میں یہودی باطنیت اور خفیہ عقائد کے سلسلے نے فروغ حاصل کیا۔ حضرت مسیح کی بعثت اور عیسائیت کی ترقی کے ابتدائی دور میں اس مواد میں اضافہ ہوا۔ ۷۰ عیسوی میں جب رومیوں نے ہیکل کو تباہ کر دیا اور یہودی یروشلم سے نکال دیئے گئے تو اس پرآشوب دور میں عیسائیت کے مذہبی سیلاب سے بچنے کے لیے ربیوں نے اپنے طور پر بہت سا غیر مصدقہ مواد تلف کر دیا۔ فلسطین کے علاقہ جانیا(Jaminah) میں ۹۰

عیسوی میں یہودی اکابرین کی ایک مجلس منعقد ہوئی اس میں اس مواد کو جلد تلف کرنے اور مصدقہ لٹریچر اور مذہبی کتب کے اجراء کی ضرورت بتائی گئی، اگرچہ یہودیوں نے ایک باقاعدہ پروگرام کے تحت اس مواد کو تلف کیا لیکن بعض کتب پھر بھی باقی رہ گئیں۔ ان کتب کو مندرجہ ذیل دو بڑے حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے:

ا۔ فلسطین میں تدوین شدہ کتب Palestine Books

یہ کتب عبرانی اور آرامی زبان میں تالیف کی گئیں ان میں بارہ مقدس پیغمبروں کی وصیت، حضرت سلیمان کی امثال، بعض انبیاء کے حالاتِ زندگی، جوبلیز Jubilees، حضرت ایوبؑ کی وصیت، انوخ، یسعیاہ نبی کی شہادت، حضرت موسیٰؑ کی بعثت، حضرت آدم اور حوا کے حالاتِ زندگی، یرمیاہ نبی کے واقعات وغیرہ شامل ہیں۔

۲۔ اسکندریہ میں مرتب شدہ یونانی کتب Alexandrian Books

یہ کتب یونانی زبان میں مدون ہوئیں، ان کا زیادہ حصہ مقابیوں کے حالات پر مشتمل ہے جنہوں نے یونانیوں کے خلاف بغاوت کی۔ کچھ حصہ باطنی تشریحات و تفاسیر پر مشتمل ہے۔ بعض مقامات پر آئندہ کے حالات، پیشین گوئیاں، مسیح موعود کی آمد کے زمانے کی نشانیاں، احوال اور ان کی آمد کے نشانات، مردوں کے دوبارہ زندہ ہونے کے ثبوت، کائناتی تبدیلیاں اور جنگیں وغیرہ درج ہیں۔

کتاب زھار Zohar

یہود کے باطنی علوم کو اصطلاح میں قبالہ Qabbalah کہا جاتا ہے، یہودیوں کے نزدیک یہ ان کا بہت اہم سرمایہ ہیں کیونکہ ان میں یہودی احبار و رہبان سے منسوب روایات اور دلچسپ واقعات درج ہیں۔ سپین کے یہودیوں نے ان کو کتاب زھار کی صورت میں تیرہویں صدی کے آخر میں ترتیب دیا۔ اس کتاب کو مشرقی یورپ کے یہودیوں نے اسرائیل کے خفیہ، پراسرار،

باطنی علوم اور قدیم اسرائیلی ورثہ کے طور پر متعارف کرایا۔ فری میسن تحریک اسی کی رہین منت ہے۔

عیسائیت سے ٹکراؤ

یہودیت کو سب سے بڑا چیلنج عیسائیت کی طرف سے درپیش ہوا۔ حضرت عیسیٰ کی آمد کے بعد ان کا پیغام تیزی سے پھیلنے لگا۔ حضرت عیسیٰ کی پیدائش بیت اللحم میں شاہ ہروڈوتس (Herod) کے عہد میں ہوئی جس کا انتقال ۴ ق م میں ہوا۔ آپ کی پیدائش معجزانہ تھی۔ تیس سال کی عمر میں آپ نے کھل کر یہودی ربیوں کے طریق عمل پر تنقید کی اس زمانے میں علاقہ یہودہ کے صحرا میں یوحنا (یحییٰ) بتبسمہ دینے والے نبی ایک عرصے سے آمد مسیح کی منادی اور خدا کی بادشاہت کے قیام کا اعلان کر رہے تھے۔ مسیح نے بھی خدا کی بادشاہت کے قیام کا اعلان کیا اور اپنے بارہ حواریوں کے ساتھ یہودی عبادت گاہوں اور ہیکل میں جا کر خدا کا پیغام دیا۔ یہودیوں نے رومی گورنر پلاطوس (Pontius Pilate) سے مل کر آپ کو مصلوب کرنے کی سازش کی لیکن خدا نے آپ کو مصلوب اور قتل ہونے سے بچا لیا۔

۶۶-۷۰ عیسوی میں یہود نے رومیوں کے خلاف بغاوت کا آغاز کیا جس کے نتیجے میں رومن حکومت نے ان کو کچل کر رکھ دیا اور ہیکل سلیمانی کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ یہ یہود کا دوسرا فسادِ عظیم تھا قرآنِ حکیم میں اس کا ذکر موجود ہے۔

> ''پھر جب دوسرے وعدے کا وقت آیا تو میں ہم نے دوسرے دشمنوں کو تم پر مسلط کیا تاکہ وہ تمہارے چہرے بگاڑ دیں اور مسجد (بیت المقدس) میں اس طرح گھس جائیں جس طرح پہلے دشمن گھسے تھے۔ اور جس چیز پر ان کا ہاتھ پڑے اسے تباہ کر کے رکھ دیں'' (بنی اسرائیل آیت ۷)

یہود فلسطین سے نکل کر مختلف ممالک میں جلاوطنی کی زندگی گزارنے لگے۔ دوسری صدی عیسوی میں یہودیت کی جگہ حضرت عیسیٰؑ کا پیغام عام ہونے لگا۔ حتیٰ کہ رومی سلطنت عیسائیت کی

پشت پناہی کرنے لگی۔ یہودیوں کو فلسطین سے نکل کر ذلت آمیز زندگی گزارنی پڑی، ان کا باغی رہنما بارقشبہ Barkoshba جسے بعض یہودی مسیح موعود کہتے تھے پسپا ہوا۔ یہودیت کے ساتھ ساتھ عیسائیت پھلنے پھولنے لگی اس میں سینٹ پال Paul کی مساعی کو گہرا دخل تھا۔ یہود اپنی رہنمائی کے لیے اپنے ربیوں کی طرف دیکھتے تھے ان کا زوال اور جلاوطنی خدا کے سچے مسیح حضرت عیسیٰؑ کے انکار کا نتیجہ تھا۔

عیسائیوں نے ہیکل سلیمانی پر ۱۳۶ء میں جوپیٹر کا معبد بنایا اور ۲۳۶ء میں یہاں کلیسائے نشور تعمیر کیا لیکن ۶۱۴ء میں ایرانی بادشاہ خسرو ثانی نے یروشلم فتح کر کے تمام کلیسا برباد کر دیئے چودہ سال بعد عیسائی فرماں روا ہرقل نے اس کا بدلہ لینے کے لیے بیت المقدس پر دوبارہ قبضہ کر لیا اور یہودیوں کو وہاں سے نکال دیا۔ ۶۳۷ء میں حضرت عمرؓ نے بیت المقدس کو فتح کر کے اسے اسلامی ریاست کا حصہ بنایا۔

اسلام کے ظہور کے وقت چھٹی صدی عیسوی میں یہودیوں کی بڑی آبادیاں رومن اور ایرانی سلطنتوں میں آباد تھیں۔ رومی سلطنت خاص طور پر عیسائیوں کا سرکردہ مذہبی رہنما پوپ ان کا سخت مخالف تھا، انہیں عیسیٰ کے قاتل، سازشی اور فتنہ پرداز قرار دیا جاتا تھا۔ پوپ گریگوری اعظم(Gregory the Great) (۶۰۶-۵۹۰) نے ۶۰۰ء میں ان کے خلاف ایک سخت فرمان جاری کیا جس میں یہودیت کو باطل عقیدہ قرار دیا گیا۔ ۶۲۹ء میں ایرانیوں سے بازنطینی فرمانرواؤں نے یروشلم چھین لیا جس کے نتیجے میں عیسائیوں نے یہودیوں کو سخت مظالم کا نشانہ بنایا۔ ۶۱۲ء میں شاہ سسبت (Sisebut) نے ایک فرمان کے ذریعے یہودیوں کا قتلِ عام کیا۔ اس نے تمام عیسائیوں کو یہودیوں کے چنگل سے آزاد کرنے کا اعلان کیا۔ یہودیوں سے عیسائی غلام، ملازم اور مزارعین آزاد کرائے اور عیسائیوں کے یہودی بننے کی سزا موت قرار دی گئی۔ اس نے یہود سے مطالبہ کیا کہ وہ عیسائی بنیں یا ملک سے نکل جائیں۔ کچھ یہودی نقلِ مکانی کر گئے جو یہود یروشلم میں رہے ان کو جبری عیسائی بنانے کا سلسلہ جاری ہوا۔(۱۸)

عرب کے یہود

عرب میں بسنے والے یہودیوں کی کوئی مستند تاریخ نہیں اور نہ ہی انہوں نے خود اپنی کوئی ایسی تحریر، کتاب یا مآخذ چھوڑا ہے جس سے ان کے حالات معلوم ہوسکیں۔ ان کی تاریخ کا زیادہ انحصار زبانی روایات پر ہے جو اہلِ عرب میں مشہور تھیں۔ البتہ اتنا واضح ہے کہ انہوں نے عبرانی تہذیب، زبان اور نام ترک کر کے عربی تہذیب اپنا لی تھی۔ زیادہ قرینِ قیاس یہ ہے کہ وہ ۱۳۲ء کے لگ بھگ فلسطین سے بھاگ کر حجاز آئے کیونکہ یہ علاقہ فلسطین کے جنوب میں قریب ہی واقع تھا۔ یہاں انہوں نے سرسبز مقامات پر سکونت اختیار کر لی۔ ایلہ، مقنا، تبوک، تیما، وادی القریٰ، فدک اور خیبر پر ان کا تسلط اسی دور میں قائم ہوا اور بنی قریظہ، بنی نضیر، بنی بَہدل اور بنی قینقاع بھی اسی دور میں آ کر یثرب پر قابض ہوئے۔ انہوں نے یہاں سودی کاروبار کے باعث کافی اثر جما لیا۔ ۴۵۰ء میں یمن میں عظیم سیلاب آیا جس کے باعث اوس اور خزرج کے قبائل یثرب آ گئے۔ یہودیوں نے ان پر بالادستی قائم کرنے کی پوری پوری کوشش کی لیکن یمنی سرداروں نے شام سے اپنے ہمدرد قبائل بلا کر ان کا زور توڑ دیا۔(۱۹)

یہودی تشخص

نبی کریم ﷺ کی مدینہ آمد سے قبل حجاز میں عموماً اور یثرب میں خصوصاً یہودیوں نے عرب تہذیب و تمدن اپنا رکھا تھا، زمانہ جاہلیت کے یہودی شاعروں کا جو کلام ہمیں ملتا ہے اس کی زبان اور خیالات اور مضامین میں شعرائے عرب سے الگ کوئی امتیازی شان نہیں پائی جاتی جو انہیں ممیّز کرتی ہو۔ ان کے اور عربوں کے درمیان شادی بیاہ کے تعلقات قائم ہو چکے تھے ان تمام باتوں کے باوجود وہ عرب معاشرہ میں جذب نہ ہوئے تھے۔ اور انہوں نے اپنا یہودی تشخص برقرار رکھا۔(۲۰)

معاشی برتری

معاشی لحاظ سے ان کی پوزیشن عرب قبائل کی نسبت زیادہ مضبوط تھی۔ اس کی ایک وجہ تو یہ

تھی کہ وہ شام اور فلسطین کے خوشحال اور متمدن علاقوں سے آئے تھے دوسرے وہ تجارت اور سودی کاروبار کے باعث زیادہ دولت مند ہو چکے تھے۔ وہ درآمدی اشیاء پر بھاری منافع حاصل کرتے اور مرغبانی، ماہی گیری، پارچہ بافی اور شراب وغیرہ کی صنعت سے کثیر مالی فوائد حاصل کرتے تھے۔ اپنے مالی اور تجارتی مفادات کے تحفظ کے لیے انہوں نے عرب قبائل کو آپس میں لڑایا تاکہ ان کے علاقوں پر قبضہ کیا جا سکے۔ اور اپنی بالادستی قائم کی جائے۔

مذہبی حالت

عرب کے یہود توحید، رسالت، وحی، قیامت اور ملائکہ کے قائل تھے۔ لیکن غیر اقوام کے تسلط، مذہبی پیشوائیت اور داخلی مناقشات کے باعث انہوں نے درست عقائد کی جگہ غیر اسلامی عقائد کو اپنا لیا۔ وہ آسمانی کتب میں من مانی تحریف و تبدیلیاں کرتے تھے۔ دین کی اصل روح ان میں سے نکل چکی تھی۔ ان کے احبار و رہبان اور عوام سب کی مذہبی اور اخلاقی حالت پست تھی۔ قرآن حکیم نے ان کی مذہبی حالت کے مختلف پہلوؤں کو پیش کیا ہے۔ جن میں بعض کا خلاصہ درج ذیل ہے:

۱۔ ان کا خدا اور آخرت پر حقیقی ایمان نہیں۔ (سورہ توبہ، آیت ۲۹)

۲۔ کتاب (وحی قرآنی) کا انکار کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ وحی پہلی کتب کی مصدق ہے۔ یہود ایک عرصہ سے ایک آنے والے نبی کے منتظر تھے جن کے بارے میں کئی پیش گوئیاں پہلے انبیائے نے کیں لیکن جب آپ تشریف لائے تو انہوں نے ماننے سے انکار کر دیا۔ (البقرہ، آیت ۸۹)

۳۔ اپنی کتاب کے حکم کو چھوڑ کر نبی کریم ﷺ کے پاس اپنا مقدمہ فیصلہ کے لیے لاتے حالانکہ وہ آپ کی نبوت و رسالت کے قائل نہ تھے۔ اس سے ثابت ہوا کہ یہ کسی چیز پر بھی صداقت کے ساتھ ایمان نہیں رکھتے تھے۔ (سورہ المائدہ، آیت ۴۳)

مسلمانوں سے سخت دشمنی

یہودیوں نے ہمیشہ مسلمانوں کے سیاسی و معاشی مفادات کو نقصان پہنچایا اور مشرک قبائل سے سازباز کی۔ نبی کریم ﷺ کی ذات والا صفات کے خلاف واضح اور ذومعنی انداز میں بدزبانی کی۔ اور مسلمانوں سے ان کا رویہ انتہائی منافقت پر مبنی تھی۔ وہ ہرممکن طریقے سے مسلمانوں کے دلوں میں دین کے متعلق شکوک و شبہات ڈالتے تھے اور ان کو قبولِ حق سے برگشتہ کرتے تھے۔ لیکن ان کی تمام تدابیر کے باوجود لوگ جوق در جوق اسلام قبول کر رہے تھے۔

یہود سے معاہدات

نبی کریم ﷺ مکہ سے ہجرت فرما کر جب مدینہ تشریف لائے تو آپ نے یہودیوں کے ساتھ ایک معاہدہ کیا جو دستورِ مدینہ (Charter of Madina) کہلاتا ہے۔ جس کی بنیاد مذہبی آزادی، باہمی اتحاد اور مدینہ کے مشترکہ دفاع پر رکھی گئی تھی۔ لیکن یہودیوں نے بہت جلد اس معاہدہ کی خلاف ورزی کر کے اس کو عملی طور پر توڑ دیا۔ اسلام سے قبل یہود اوس اور خزرج کے عرب قبائل کی باہمی خانہ جنگی سے فائدہ اٹھاتے تھے۔ لیکن اسلام نے عربوں کو ایک ایسے رشتہ اخوت میں پرو دیا کہ ان کی قدیم عداوتیں ختم ہوگئیں۔ اس سے یہود کی داخلی سازشیں ناکام ہوگئیں مسلمانوں کی معاشی حالت بہتر ہونے سے یہود کا سودی کاروبار متاثر ہوا۔ یہودیوں کے تین بڑے قبائل بنوقینقاع، بنو نضیر اور بنو قریظہ میں سے جنگِ بدر میں مسلمانوں کی فتح کے بعد شوال ۲ھ میں بنو قینقاع نے مسلمانوں سے لڑائی کا آغاز کیا۔ دو سال بعد بنونضیر نے مسلمانوں کے ساتھ کیے گئے معاہدوں کی خلاف ورزی کی۔ آخر کار ان کی پے در پے سازشوں کے بعد ان کے خلاف کارروائی کی گئی اور وہ شکست کھانے کے بعد مدینہ سے نکلنے پر مجبور ہوئے۔ بنو قریظہ بھی اپنے ساتھی یہود کی طرح داخلی سازشوں اور بدعہدیوں میں ملوث ان کو بھی شکست اور ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ یہود کی سب سے بڑی نوآبادی خیبر میں تھی۔ قریش مکہ کے بعد اسلام کے سب سے زیادہ مخالف یہی لوگ تھے۔ مدینہ

کا قبیلہ بنونضیر بھی یہاں آ کر آباد ہوگیا تھا۔محرم ۷ھ میں اسلامی افواج نے خیبر فتح کر لیا۔لیکن فتح کے باوجود نبی کریم ﷺ نے یہود کی درخواست پر خیبر کی زمین انہیں واپس کر دی اور کل پیداوار کا نصف حصہ خراج کے طور پر لینے کا معاہدہ کرلیا۔ یہ پہلا غزوہ تھا جس میں مسلمانوں نے ایک اہم زرخیز علاقے کو فتح کر کے اسلامی حکومت میں شامل کر لیا۔ اور اس کے باشندے رعایا قرار دیئے گئے۔

یہود کی گوناگوں سازشوں اور ناکامیوں کی وجہ سورہ جمعہ میں موجود ہے۔قرآن حکیم نے ان کو مخاطب کر کے تین باتیں کی ہیں:

۱۔ تم اس زعمِ باطل میں مبتلا تھے کہ رسول تمہاری قوم میں آئے گا اور امیوں میں کوئی رسول نہیں آ سکتا لیکن خدا نے انہی امیوں میں ایک رسول بھیجا جو اللہ کی کتاب سنا رہا ہے ان کے نفوس کا تزکیہ کر رہا ہے اور ان لوگوں کو ہدایت دے رہا ہے۔

۲۔ تم کو تورات کا حامل بنایا گیا تھا مگر تم نے اس کی ذمہ داری نہ سمجھی اللہ کی آیات کو جھٹلایا تمہارا یہ خیال کہ تم اللہ کے چہیتے ہو اور رسالت کی نعمت ہمیشہ کے لیے تمہارے نام لکھ دی گئی ہے گویا تم اللہ کے پیغام کا حق ادا کرو یا نہ کرو بہرحال اللہ اس کا پابند ہے کہ وہ اپنے پیغام کا حامل کسی کو نہ بنائے۔(۲۱)

خلافت راشدہ کے زمانہ میں یہودیوں نے اپنی سازشیں برقرار رکھیں اور اپنے قدیم طرز پر قائم رہے لیکن بعض سعید ارواح نے دینِ حق قبول کر لیا۔ ۶۳۷ء میں حضرت عمرؓ کے زمانے میں بیت المقدس (شام) فتح ہوگیا۔ آپ نے یہود و نصاریٰ کے ساتھ ایک معاہدہ کیا جو ذمیوں کے حقوق کے سلسلے میں اہم حیثیت رکھتا ہے۔ یہ معاہدہ معمولی رد و بدل کے بعد دیگر مسلم حکمرانوں کے عہد میں بھی نافذ العمل رہا۔ اس سے تمام ذمیوں کو جان و مال اور مذہب سے متعلق بنیادی حقوق حاصل ہوگئے۔ ذمی کاشتکاروں کو ان کی زمینیں تمام حقوق کے ساتھ بحال کر دی گئیں اور مسلمانوں کے لیے ان کا خریدنا ممنوع قرار دے دیا گیا۔ خیبر کے یہودیوں اور نجران کے عیسائیوں کو بہت سے حقوق اور

مراعات ملنے کے باوجود ان کی مسلمانوں کے خلاف ریشہ دوانیاں ختم نہ ہوئیں۔ آخرکار ان کو جزیرہ نما عرب سے نکال دیا گیا۔

یہودی مسیح موعود

حضرت عیسیٰ کی مسیحیت اور رسالت کے انکار کے بعد یہودی ایک آنے والے مسیح کے منتظر رہے۔ ان کے مذہبی لٹریچر میں مسیح موعود کے سہانے دور کا تفصیلی ذکر موجود ہے۔ یہودی عقیدے میں مسیح کے تصور کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ مسیح آرامی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی مسح شدہ شخص کے ہیں چونکہ یہودی اپنے بادشاہوں (جو ان کے نبی بھی تھے) کے سر پر تخت نشینی کے وقت تیل ڈالتے تھے اس لیے انہیں مسیح کہا گیا۔ یہودی انبیاء کے لیے مسحاء کا لفظ بھی استعمال کرتے ہیں۔ وقت کے ساتھ ساتھ مسیح سے مراد ایک نجات دہندہ لیا گیا جو یہود کی عظمت رفتہ بحال کرے گا۔ اصطلاحاً مسیح ایک غیر یہودی بھی ہو سکتا ہے جیسا کہ توریت میں ایرانی شاہ خورس (Cyrus) کو مسیح کہا گیا ہے، کیونکہ اس نے چھٹی صدی ق م میں یہود کو بابل سے یروشلم جا کر ہیکل کی تعمیر کی اجازت دی۔ کتاب یسعیاہ میں ہے ''خداوندا نے اپنے ممسوح خورس کے حق میں یوں فرمایا ہے کہ میں نے اس کا دہنا ہاتھ پکڑا تا کہ امتوں کو اس کے سامنے زیر کروں''،(۲۲) حضرت سلیمان کی دعاؤں Psalms میں مسیح کی آمد اور ان کے لیے ایک تعریفی نغمے کا ذکر ہے۔(۲۳) عہدنامہ قدیم اور یہود کی دیگر مقدس کتب میں بھی مسیح کی آمد اور یہود کی سلطنت کے قیام کے وعدے ہیں۔(۲۴) ان قدیم وعدوں کی بناء پر آنے والے مسیح کو مسیح موعود (Promised Messiah) کہا گیا یعنی وہ جس کا وعدہ کیا گیا ہو، یہ وعدہ حضرت عیسیٰؑ ابن مریم کی آمد کے بعد پورا ہو گیا جن کی بعثت کا یہود نے انکار کیا۔

اسلامی حکومتوں کی سلامتی اور بقا کے خلاف یہودیوں نے جو سازشیں کیں ان میں وہ فوجی

مہمات شامل ہیں جن کا آغاز مسیح موعود کے نام پر کیا گیا۔ کئی یہودی طالع آزماؤں نے آنے والے مسیح موعود کا جھوٹا دعویٰ کر کے مسلمانوں سے فلسطین کا علاقہ چھیننے کی کوشش کی لیکن ناکام ہوئے۔ ساتویں صدی عیسویں میں ابوعیسیٰ نے اصفہان (ایران) میں بغاوت کی۔ آٹھویں صدی میں یوگ دان(Yogdan) نے دعویٰ مسیحیت کر کے یہودیوں کو اکٹھا کیا تا کہ فلسطین پر حملہ کیا جا سکے۔ اسی طرح آئندہ صدیوں میں کئی مدعیان مسیحیت اٹھے جن کا مقصد یہودی قومیت کا احیاء اور بکھرے ہوئے یہودیوں کو فلسطین میں جمع کرنا تھا، ان کی اکثر تحریکیں از خود ناکام ہوگئیں اور بعض کو اسلامی حکومتوں نے کچل دیا۔(۲۵)

اسلامی اور یہودی مکاتیبِ فکر

یہودی فلسفہ و افکار اور اس کی تاریخ بہت طویل ہے۔ اس کا ایک حصہ اسلام سے قبل اور ایک مابعد کا ہے۔ عہد نامہ قدیم میں ہمیں کتاب ایوب اور سلیمان میں فلسفے کے بعض مخصوص رجحانات کا پتہ چلتا ہے۔ اس کی بناء پر یہودیوں نے الہام، کہانت، ذاتی مشاہدہ، عقلی دلائل اور ایمانیات کے مسائل پر بحث کی۔ اسلام کی آمد کے بعد جو نئے نئے فلسفیانہ افکار ابھرے ان میں سے بعض مباحث یہودی فلسفیوں کے ہاں بھی ملتی ہیں۔ عباسی عہد میں جب یونانی اور ہندی فلسفے کی کتب کے تراجم ہوئے ان سے بھی یہودی فلسفیوں نے استفادہ کیا اور خدا کی ہستی، روح کی ماہیت، جزا و سزا، عمل وغیرہ پر بحثیں کیں۔ یہودی فلسفیوں کو چار گروہوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

عرب علم الکلام سے متاثر

پہلا گروہ ان افراد پر مشتمل ہے جو عرب فلسفیوں کے علم الکلام سے متاثر تھے، ان میں یوسف البصیر اور داؤد بن مروان مشہور ہیں۔ ابن رشد، امام غزالی، معتزلہ(۲۶) اور دیگر اسلامی حکماء سے کئی یہودی فلسفیوں نے استفادہ کیا۔

نو افلاطونی فکر کے حاملین

یہودی گروہ نو افلاطونی Neoplatonean کا کہنا تھا کہ کائنات کا صدور ذاتِ خداوندی سے ہوا؟ اور جوں جوں مادہ اپنے اصل سے ہٹتا ہے اس کی حالت بدلتی جاتی ہے اور ہر حالت کی خاصیت معلوم کی جا سکتی ہے۔ اس گروہ میں ابراہام برخیہ، ابراہام بن عذرا اور یوسف ابن ذویق شامل ہیں۔

ارسطو کے فلسفہ کے دلدادہ

یہودیوں کے ایک گروہ نے توریت کے احکامات کی ارسطو کے فلسفیانہ استدلال کی روشنی میں تعبیر و تشریح کی، اس گروہ میں ابراہام بن داؤد (۱۱۱۰ تا ۱۱۸۰ء) پیش پیش تھا۔ یہ گروہ اسلامی فلسفیوں/اشاعرہ سے بھی متأثر تھے۔(۲۷) ابن داؤد نے انسان کے آزادانہ عمل پر بحث کی ہے۔

مذہبی عقلیت کے مخالف

یہودی فلسفیوں کا ایک گروہ عقلیت کا مخالف تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ روح فنا پذیر ہے۔ خدا غیر مادی ہستی ہے مادی کائنات کا اسے علم نہیں ہو سکتا۔ اس گروہ میں یہودا ہالی Judah Haley (۱۰۷۵-۱۱۴۱) پیش پیش ہے اس نے ارسطو کے افکار کا یہودی نقطہ نظر سے رد پیش کیا۔

قرون وسطیٰ میں یہودیت

اسلامی عہد میں یہودیوں کی سیاسی سازشوں کے باوجود مسلمان حکمرانوں نے ان سے رواداری کا مظاہرہ کیا۔ عرب کے اسلامی ماحول میں انہیں اس عہد کی سماجی اور فلسفیانہ تحریکوں سے استفادہ کا موقع ملا۔ انہوں نے قدیم یونانی اور عبرانی کتب کا مطالعہ کیا اور اپنے مذہبی عقیدہ اور دینی فلسفہ پر نظر ثانی کی۔ سپین میں خاص طور پر انہیں اپنے تمدنی ورثے کے احیاء کا موقع ملا۔ انہوں نے مسلم سپین میں ایک نئی طرز کے ادب کی بنیاد رکھی، جس کا بانی ہسپانوی فلسفی سلیمان ابن جبریل Ibn Gabirol (۱۰۲۱-۶۹) تھا۔ اس کی فلسفیانہ شاعری کی کتاب(Keter Malkhut) یا تاجِ شاہی(Crown of Royalty) آج بھی سفاردی(Sephardic) (سپین) یہودی

پڑھتے ہیں۔ اس عہد میں توریت پر نئی تفاسیر مرتب ہوئیں، عظیم یہودی فلسفی موسیٰ ابن میمون(Memonides) (۱۱۵۱-۱۲۰۴) نے توریت کی تفسیر پر بہت کام کیا، اس کی مثنہ توریت(Mishneh Torah) (۱۱۷۸ء) بہت مشہور ہے۔(۲۸) اس نے یہودی مذہب کے تیرہ بنیادی عقائد بتائے اور مسیح کی آمد پر زور دیا۔ اپنی مشہور کتاب دلالت الحیر ان Guide For The Perplexed میں اس نے مذہب کو فطری عوامل سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی اس کے پیروکار معتزلہ کے عقائد سے متاثر تھے۔

اسلامی عہد میں ہی سپین کے یہودیوں نے اپنی تاریخی تقویم مرتب کی۔ سبت منانے کے طریقے وضع کیے، جمعہ کی شام سے سبت کا آغاز سمجھا جاتا تھا، عورتیں رنگ برنگ موم بتیاں روشن کرتیں، عبادت کرتیں اور خاص کھانا پکایا جاتا، اس دن کام کاج نہ کیا جاتا۔ ہفتہ کی شام تک سبت رہتا تھا۔ یہودی اپنا نیا سال روش ہشانا Rosh Hashana ستمبر سے شروع کرتے ہیں۔ اس کے دس دن بعد یوم کپور(Yom Kippur) یا توبہ کا دن مناتے ہیں۔ اس کے لیے یہودی معبدوں میں خصوصی مذہبی اجتماعات منعقد ہوتے ہیں۔ سپین میں ہی انہوں نے اپنے باطنی فلسفہ اور تصوف کی داغ بیل ڈالی۔ ابولافیہ (Abulafia) جس نے مسیح موعود کا دعویٰ (۱۲۴۰ء) کیا اسلامی تصوف اور فلسفہ سے از حد متاثر تھا۔

اسلامی حکومتوں میں چین اور راحت حاصل کرنے کے باوجود یہودی اپنی سازشوں سے باز نہ آئے، جب کہ مغرب میں ان کی حالت بہت بری تھی۔ ان کو حضرت عیسیٰؑ کا قاتل، نہایت کنجوس، سودخور اور ناپاک قرار دے کر معاشرے سے الگ کر دیا گیا تھا۔ روس، مشرقی یورپ، جرمنی وغیرہ میں آباد یہود جو اشکنازی (Ashkenazism) کہلاتے تھے، الگ بستیوں غیطو (Ghettos) میں ناگفتہ بہ حالت میں رہتے تھے۔

بنیادی تعلیمات

ابن میمون(Memonides) نے یہودیت کے تیرہ بنیادی عقائد بیان کیے ہیں جن کو اساسی تعلیم کہا جاتا ہے۔ یہ عقائد درج ذیل ہیں:

۱۔ خدا موجود ہے۔
۲۔ خدا واحد ہے۔
۳۔ غیر مادی ہے اس کی مثال نہیں۔
۴۔ لافانی ہے۔
۵۔ اسی کی عبادت ہونی چاہیے۔
۶۔ خدا پیغمبروں کو مبعوث کرتا رہتا ہے۔
۷۔ موسیٰ کی نبوت باقی الہامات سے افضل ہے۔
۸۔ موسیٰ کے ذریعے بنی اسرائیل کو توریت ملی۔
۹۔ خدا کبھی توریت کو نہ تو بدلے گا نہ منسوخ کرے گا۔
۱۰۔ خدا سمیع و بصیر ہے۔
۱۱۔ انسان کے اعمال کے مطابق سزا و جزا ہے۔
۱۲۔ مسیح موعود آئے گا۔
۱۳۔ مردے دوبارہ زندہ ہوں گے۔[۲۹]

ابن میمون کے یہی عقائد اب بھی یہودی معبدوں میں بیان کیے جاتے ہیں۔

یہودی تعلیمات کے ضمن میں ہمیں دو باتوں پر بہت بحث ملتی ہے۔ ایک تو اسرائیلی پیغمبروں میں الہام کا تصور اور ان کا شریعت عطا کرنے والا منصب دوسرے یہ عقیدہ کہ کن معنوں میں یہودی خدا کی منتخب قوم ہیں۔ یہودی مفکر کوہلر (۱۹۲۶-۱۸۴۳) K. Kohler کی تشریح کے مطابق مذہب اخلاقی اقدار کا فروغ اور منتخب قوم اجتماعیت کا دوسرا نام ہے۔ فرانس کا یہودی مفکر ایڈمنڈ فلیگ Edmond Fleg (۱۸۷۶ء) اسرائیلی پیغمبروں پر یقین اور حضرت ابراہیمؑ سے کیے گئے عہد کی پابندی کو بنیادی اہمیت دیتا ہے۔ جس کے تحت وہ دو ہزار سال سے یہودی چلا آ رہا ہے اور اپنا تشخص برقرار رکھے ہوئے ہے۔ وہ کہتا ہے:

''لوگ مجھے کہتے ہیں تو یہودی کیوں ہے۔ میں یہ جواب اپنے پیدا ہونے والے پوتے کو دیتا ہوں کہ میں یہودی ہوں کیونکہ میں اسرائیل میں پیدا ہوا، اس کو کھو دیا وہ میرے دل میں میری جان سے زیادہ بسا رہا۔ میں یہودی ہوں کیونکہ میں اسرائیل میں پیدا ہوا اس کو کھویا پھر پایا اور چاہتا ہوں کہ میرے بعد برقرار رہے۔[۳۰]

اس سے یہودیوں کی ذہنیت اور اپنے منفرد تشخص پر اصرار عیاں ہے۔ جس کی بدولت وہ اب تک اپنے آپ کو یہودی کہتے ہیں۔ اور اس ورثہ کو وہ آگے منتقل کرنا چاہتے ہیں۔

یہودی تہوار

عید فصح: مصر سے خروج کی یاد میں منایا جاتا ہے، اس کی تاریخیں ۱۵ اور ۱۶ اپریل ہیں۔

روش ہشانا: نیا سال، یہودی معبدوں (صومعوں) میں صور پھونک کر اس کو مناتے ہیں۔

پُوریم: یہ دن ہامان سے بچنے کی یاد میں ۱۱ فروری کو منایا جاتا ہے۔ اس دن ایک دوسرے کو تحفے دیئے جاتے ہیں۔

حنوکاہ: یہودہ مقابی کی شامیوں پر فتح کا دن، اس کو روشنوں کا تہوار بھی کہتے ہیں اور دسمبر میں منایا جاتا ہے۔

یوم ہاتزموت: اسرائیل کے قیام ۱۴ مئی ۱۹۴۸ء کی یاد میں منایا جاتا ہے۔

یوم خمیس: عید فصح کے بعد پچاسویں دن منایا جاتا ہے۔ اس موقع پر بیل اور دنبے ذبح کیے جاتے ہیں۔

مقدس سال

یہود سات کے عدد کو مقدس سمجھتے ہیں۔ ہفتے کے سات دن ہیں، ساتواں سبت ہے۔ ساتواں مہینہ بھی مقدس سمجھا جاتا ہے۔ اس مہینہ میں قربانیاں کی جاتی ہیں۔ ہر ساتویں سال زمینیں کاشت کے بغیر چھوڑ دی جاتی ہیں۔ اس سال کو نیکی، اور غریبوں کی مدد کا زمانہ قرار دیا جاتا ہے۔

یہودی کتب کی رو سے ہر پچاسویں سال کو بھی اہمیت حاصل ہے اس سال لوگوں سے حاصل کی گئی زمینیں ان کے اصل مالکوں کو لوٹا دی جاتی ہیں، لوگوں کو ان کی کئی قسم کی اشیاء واپس کر دی جاتی ہیں۔ ایسے ہی غلاموں کو آزاد کرنے کا بہت ثواب سمجھا جاتا ہے۔

سماجی تقاریب

-- بچے کے ختنے کے وقت سماجی تقریب منائی جاتی ہے، ختنہ پیدائش کے آٹھویں دن کیا

جاتا ہے۔

-- تیرہ سال کی عمر کے بچے کو یہودیت میں باقاعدہ داخل کیا جاتا ہے، اسے بار متزوا Bar Mitzvah کی تقریب کہتے ہیں۔

-- شادی کے موقع پر دولہا دلہن شراب کا جام اکٹھے پیتے ہیں۔ طلاق کی اجازت ہے۔

-- مردے کو ۲۴ گھنٹے کے اندر اندر دفن کرتے ہیں، سات دن سوگ منایا جاتا ہے۔ قبر پر کتبہ لگایا جاتا ہے۔

یہودی قبالہ

قبالہ کے لفظی معنی روایات کے ہیں، یہودی تصوف اور باطنیت کی بنیاد پر بارہویں صدی عیسوی میں سپین میں توریت اور تالمود کی ایسی تشریحات کی گئیں جن میں پراسرار علوم کی جھلک نمایاں تھی۔ تیرہویں صدی کے آخر میں موسیٰ لیون Moses de leon نے کتاب زھار کا بڑا حصہ مرتب کیا۔ یہودی قبالہ کی پراسراریت اور مخفی علوم کے اظہار کے ساتھ ساتھ اس میں بنیادی طور پر خدا کی ذات اور صفات پر بحث ہے، خدا کو قبالہ کے ماہرین نے ماوراء اور لامحدود ہستی قرار دیا۔ اس کو اصطلاح میں عین صوف Ayn sof (معرفتِ الٰہی) کہا اور اس کی صفات عالیہ کو سفرات (Sefirot) کہا۔ خدا اپنی ذات کا اظہار اپنی صفات سے کرتا ہے۔ صفات کو انسان اور کائنات اور خدا کے درمیان رابطہ قرار دیا۔ بنیادی طور پر خدا کی دس صفات کا تذکرہ کیا گیا جو درج ذیل ہیں:(۳۱)

نمبر شمار	صفت	عبرانی نام
۱	تاج اعلیٰ	Supreme یا Keter Elyon
۲	حکمہ	Wisdom یا Hokmah
۳	بناہ یا تفہیم	Understanding یا Binah
۴	عظمت اعلیٰ	Greatness یا Gedullah
۵	قوت	Power یا Geurah
۶	حُسن	Beauty یا Tiferet
۷	برداشت	Endurance یا Netzah
۸	شان	Majesty یا Hod

۹	اساس	Foundation یا Yesod
۱۰	بادشاہت	Kingdom یا Malkhut

یہودی قبالہ میں توحید خدا سے محبت اور روح کی بالیدگی پر بھی بحث ہے، انبیاء کے قصوں کو باطنی رنگ میں پیش کیا گیا ہے۔ قرون وسطی کے یہودی فلسفہ کی یہ اہم شاخ ہے جس کا یہودی تصوف اور پراسرار علوم کی ترقی و ترویج میں نمایاں حصہ رہا ہے۔

اسلام اور یہودی عقائد

اسلام کا انقلاب آفریں پیغام جلد ہی عرب کے اندر پھیلنے لگا۔ قرآن نے اور اقوام کے علاوہ یہود کو خاص طور پر مخاطب کیا، ان کی مذہبی، معاشی اور تمدنی زندگی کا ایک واضح نقشہ اور ان کے قومی کردار کی پوری تصویر پیش کی۔ نبی کریم ﷺ کے وصال (۶۳۲ء) کے وقت قرآن ایک مکمل کتاب کی صورت میں مسلمانوں کے ہاتھوں میں موجود تھا جب کہ یہودیوں کی عبرانی زبان میں مدون ہونے والی مقدس کتب کو اپنی مکمل صورت میں آنے تک ایک ہزار سال سے زائد عرصہ لگا اور عیسائیوں کی بائبل New Testament کو اپنی آخری شکل ایک سو سال میں ملی۔ (۳۲)

اسلام نے تمام مذاہب کی تکمیل کی اور عالمی اور آفاقی پیغام دیا، یہودیت اور عیسائیت کے درست عقائد کی تائید اور غلط کی تردید کی۔ اسلام کے ازلی پیغام کی ایک کڑی یہودیت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام اور یہودیت میں کئی باتیں مشترک ہیں۔ اسی لیے اس کو عیسائیت کے مقابلے میں اسلام سے زیادہ قریب سمجھا جاتا ہے۔ قرآن حکیم نے واضح کیا کہ اسلام اپنی مختلف صورتوں میں زمانہ قدیم سے چلا آ رہا ہے، دینِ ابراہیمی بھی اسلام تھا اور دین موسوی بھی اسلام ہی کا ابتدائی پیغام تھا۔ اپنی مکمل صورت میں اسے خدا نے چھٹی صدی عیسوی کے آخر میں بھیجا اور اس کے مکمل نفاذ کے لیے حضرت محمد ﷺ نے مدینہ میں اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی۔ اس کی مزید تشریح مولانا مودودی نے بیان کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ:

''اسلام ہی اصل دین تھا جو حضرت موسیٰؑ اور ان سے پہلے اور بعد کے انبیاء لائے۔

یہودیت اس ڈھانچہ کا نام ہے جو کاہنوں، ربیوں اور احبار نے اپنے اپنے خیالات اور رجحانات کے مطابق عقائد و رسوم اور مذہبی ضوابط کا چوتھی صدی قبل مسیح سے پانچویں صدی بعد از مسیح تک تیار کیا اس میں اللہ کے رسولوں کی لائی ہوئی ہدایت کا بہت تھوڑا عنصر تھا، اس لیے قرآن نے ان کو ''الذین ھادوا'' کہہ کر خطاب کیا۔ یعنی اے وہ لوگو جو یہودی بن کر رہ گئے ہو ان میں سب کے سب اسرائیلی ہی نہ تھے بلکہ وہ غیراسرائیلی لوگ بھی تھے۔ جنہوں نے یہودیت قبول کر لی تھی۔ قرآن میں جہاں بنی اسرائیل کو خطاب کیا گیا ہے وہاں بنی اسرائیل کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں اور جہاں مذہب یہود کے پیروکاروں کو خطاب کیا گیا ہے وہاں ''الذین ھادوا'' کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں''۔(۳۳)

اسلام اور یہودیت کی مستقل اور یکساں اقدار درج ذیل ہیں:

مشترک عقائد

(۱) خدا کی ذات کا اقرار، (۲) وحدانیت پر ایمان، (۳) انبیاء کے مبعوث ہونے پر ایمان، (۴) جزا سزا، (۵) فرشتوں پر ایمان، (۶) دوبارہ زندگی پر یقین، (۷) آخرت اور قیامت پر ایمان۔

یہودی سور کا گوشت حرام سمجھتے ہیں اور اللہ کا نام لے کر جانور ذبح کرتے ہیں۔ ختنہ کراتے ہیں اور اپنے طریق پر نماز، روزہ اور عبادات سرانجام دیتے ہیں۔

تصورِ خدا

اسرائیل کے ہاں خدا کا شخصی تصور ہے۔ یہودی خدا کو بنی اسرائیل کا خدا قرار دیتے ہیں، لیکن اسلام کا خدا مالک و خالق کل اور تمام عالمین کا خدا ہے۔(۳۴)

تفسیری سرمایہ

ہمارے تفسیری سرمایہ پر اسرائیلیات اور نصرانیات کی چھاپ موجود ہے اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ قرآن میں حکمت کی تعلیم کے لیے جو قصے بیان ہوئے مفسرین ان کی تفصیلات جمع کرتے رہے اور اس کے لیے یہودی کتب اور نومسلم یہود جیسے کعب الاحبار، وہب بن منبہ عبداللہ بن سلام وغیرہ سے مدد لی۔ صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ کے عہد کے بعد کی اکثر تفاسیر پر اسرائیلیات کا رنگ چڑھا ہوا ہے۔

پیغمبروں کے متعلق ناروا رویہ

قرآن نے سابقہ انبیاء کی عصمت کا تحفظ کیا اور ان کی ذات پر لگائے گئے یہودی الزامات کی تردید کی لیکن عہدنامہ قدیم میں ہمیں پیغمبروں کی ذات پر بہت رکیک حملے ملتے ہیں۔ اس کی چند مثالیں دی جاتی ہیں:

۱۔ لوط علیہ السلام نے اپنی دو بیٹیوں سے زنا کیا تھا اور ان دونوں کو اپنے باپ کا حمل رہ گیا تھا اس کی تفصیل پیدائش باب ۱۹ میں موجود ہے۔

۲۔ یعقوب علیہ السلام کے بیٹے یہودا نے اپنے بیٹے کی بیوی تمر سے زنا کیا اور اس کو حمل رہ گیا، اس سے دو لڑکے فارض اور زارح پیدا ہوئے۔ پیدائش باب ۳۸ میں اس کا ذکر ہے۔

۳۔ داؤد علیہ السلام نے اوریاء کی بیوی سے زنا کیا تھا اور وہ ان سے حاملہ ہوئیں، پھر داؤد نے اس کے شوہر کو دسوَلہ اور فریب سے مروا دیا اور اس کی بیوی اپنی بیوی بنالی سیموئیل ثانی باب ۱۱ میں یہ قصہ مذکور ہے۔

۴۔ سلیمان علیہ السلام آخری عمر میں مرتد ہوگئے تھے اور بت پرستی کرتے رہے، بت خانے تعمیر کیے، سلاطین باب ۱۱ میں یہ بات درج ہے۔

۵۔ ہارون علیہ السلام نے گوسالہ کی پوجا کے لیے عبادت گاہ بنائی، خود بھی بچھڑے کی پوجا کی اور بنی اسرائیل کو گوسالہ پرستی کا حکم دیا۔ ملاحظہ کریں سفر خروج باب ۳۲۔

قرآن نے ان تمام باتوں سے انکار کیا اور اسرائیلی انبیاء کی ذات سے منسوب جھوٹے

قصوں کی تردید کی۔

کتاب کی حفاظت

خدا نے قرآن حکیم کی حفاظت کا وعدہ کیا اور توریت و انجیل کو محرف و مبدل بتایا۔ تاریخی لحاظ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ توریت ایک طویل عرصے میں مدون ہوئی، یہی حال انجیل کا تھا۔ توریت کئی دفعہ گم ہوئی اور اس میں کئی اضافے اور ترامیم ہوتی رہیں۔ اس میں حضرت موسیٰ کے عہد کے بعد کے واقعات بھی مذکور ہیں، تاریخی لحاظ سے ثابت ہوتا ہے کہ عزرا نبی نے توریت کو دوبارہ جمع کیا، اس کے علاوہ یہود کی سترہ ایسی کتب تھیں جو ضائع ہوگئیں لیکن ان کے حوالے عہد نامہ قدیم میں موجود ہیں۔

قرآن خدا کی وحی ہے جو نبی کریم ﷺ کے قلب اطہر پر نازل ہوئی، دنیا کی کوئی کتاب ایسا دعویٰ نہیں کرسکتی کہ وہ خدا کا نازل شدہ کلام ہے۔ یہ شرف قرآن ہی کو حاصل ہے کہ وہ محفوظ شدہ کتاب ہے اور براہ راست خدا کی وحی اور دنیا کے لیے ہدایت کا ذریعہ ہے۔

تصور انبیاء

یہودیوں کے ہاں انبیاء کا تصور کہانت سے ماخوذ ہے۔ نبی کو پیشین گوئی کرنے والے شخص اور کاہن کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ عہد نامہ قدیم میں ایک وقت میں چار سو تک نبی موجود بتائے گئے ہیں، اسلام نے نبوت و رسالت کا جامع تصور پیش کیا۔ نبی کریم ﷺ کی رسالت کو ایک منفرد حیثیت حاصل ہے۔

حضرت عیسیٰؑ کا نزول

یہودیوں نے مسیح ابن مریم کی مسیحیت اور نبوت و رسالت کا انکار کیا اور ان کو مصلوب کرنے کی سازش کی لیکن آپ کو خدا نے زندہ آسمان پر اٹھا لیا۔ اسلامی عقیدے کے مطابق کوئی نیا

پیدا ہونے والا شخص یہودی، عیسائی یا مسلمان مسیح موعود نہیں ہوسکتا بلکہ آخری زمانے میں حضرت عیسیٰؑ کا مثیل نفیس نزول ہوگا وہ امام مہدی کے ساتھ مل کر عیسائیوں اور یہودیوں پر اتمام حجت کریں گے اور تمام دنیا میں اسلام کا بول بالا ہوگا۔ اسلامی لٹریچر میں ان کے کسی مثیل یا بروز وغیرہ کا کوئی ذکر نہیں۔ یہود کے مذہبی انتہا پسند طبقے اب بھی مسیح موعود کی آمد کے لیے دیوار گریہ فلسطین جا کر روتے ہیں۔ اگرچہ صیہونیت کے آغاز اور اسرائیل کے قیام کے بعد اس عقیدے کی حیثیت ثانوی ہو چکی ہے۔ لیکن روایتی طور پر مسیح موعود کی آمد اور ہیکل سلیمانی کی تعمیر کا عقیدہ یہودیوں میں موجود ہے۔(۳۵)

مسیحت موعودہ کے نام پر سیاسی تحریکیں

انیسویں صدی عیسوی کے وسط اور آخر میں ایشیاء میں دو تحریکیں اٹھیں جن کے بانی مسیح ہونے کے مدعی تھے۔ ایک تحریک ایران میں اٹھی جس کا پرچار علی محمد باب نے کیا، اس کے پیچھے زار شاہی کا ہاتھ تھا۔ حکومت ایران نے بابیوں کی سیاسی سرگرمیوں اور مذہبی ارتداد کے باعث ان پر سختیاں کیں۔ باب کو ۱۸۵۰ء میں ہلاک کر دیا گیا اس کے بعد اس تحریک کی باگ ڈور مرزا حسین علی نوری (بہاء اللہ) نے سنبھالی۔ انہوں نے مظہر ظہور الٰہی، آنے والا مسیح بلکہ موعود کل ادیان قرار دیا۔ بہاء اللہ کی وفات ۱۸۹۲ میں حیفہ (فلسطین) میں ہوئی۔ بہائیت نے یہودیوں کی تحریک قومیت کی بھرپور حمایت کی اور ان کے فلسطین میں ریاست کے قیام کی پیشین گوئیاں کیں۔ بہائیت کا سیاسی مزاج اسرائیل نوازی پر مبنی ہے۔

دوسری اہم تحریک ہندوستان سے اٹھی اس کے بانی مرزا غلام احمد تھے جن کا تعلق قادیان پنجاب سے تھا۔ انہوں نے پہلے تو مسیح ابن مریم کی آمد کا عقیدہ اختیار کیے رکھا پھر بارہ سال بعد اعلان کیا کہ مسیح ابن مریم وفات پا چکے ہیں، انہوں نے کہا کہ مسیح کو صلیب پر چڑھایا گیا لیکن انہیں بیہوشی کے عالم میں اتار کر ان کے حواریوں نے ان کے زخموں کی مرہم پٹی کی، جب صحت یاب

ہوگئے تو انہوں نے فلسطین سے ہندوستان ہجرت کی ان کے ساتھ ان کی والدہ بی بی مریمؑ اور سینٹ تھامس تھے۔ وہ ہندوستان میں بنی اسرائیل کے قبائل کو تبلیغ کرنے آئے۔ ۷۲۱ ق م میں بنی اسرائیل کے دس قبائل گم ہو گئے تھے۔ یہ دعویٰ کیا گیا کہ کشمیری اور افغان ان کی اولاد ہیں جو تاریخی لحاظ سے ثابت نہیں۔ مرزا صاحب کا کہنا تھا کہ مسیح نے ہندوستان میں اپنا نام یوزآسف رکھ لیا اور سری نگر کشمیر میں وفات پائی، ان کا مقبرہ خانیار محلّہ میں واقع ہے۔(۳۶)

اس دعویٰ کے بعد انہوں نے خدا کی وحی کی آڑ میں مسیح موعود ہونے کا اعلان کیا اور وہ احادیث جو مسیح ابن مریم کی آمد اور ان کے آئندہ کے کارناموں کے بارے میں تھیں اپنی ذات پر چسپاں کر لیں۔ بہائیت اور قادیانیت میں کئی مشترک اقدار پائی جاتی ہیں:

۱۔ جہاد کی تنسیخ اور غیر ملکی تسلط کی حمایت
۲۔ وفات مسیح اور دعویٰ مسیح موعود
۳۔ خدا سے کلام کرنے کے دعاوی اور نزول وحی کا اعلان
۴۔ ختم نبوت کا انکار
۵۔ اسرائیل کے قیام اور یہودی تحریک قومیت کی پشت پناہی

بہائیت اور قادیانیت کے متعلق جو تحقیقات سامنے آئی ہیں(۳۷) ان کے مطابق دونوں تحریکیں اسلام دشمن، جہاد مخالف اور سیاسی نوعیت کی ہیں، دونوں کے مراکز اسرائیل میں ہیں۔ انیسویں صدی کے آخر (۱۸۹۷) میں صیہونیت کے آغاز سے لے کر اسرائیل کے قیام (۱۹۴۸) تک ان دونوں تحریکوں نے کبھی بھی فلسطینی عوام پر کیے گئے اسرائیلی مظالم کی مذمت نہیں کی اور نہ ہی اب ان کی یہ پالیسی ہے۔ ان کو یہودیت اور صیہونیت نواز تحریکیں کہنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ مرزا غلام احمد نے کسر صلیب کے نام پر حضرت عیسیٰؑ کی شان میں وہ گستاخیاں کی ہیں جو ایک یہودی بھی کرنے سے ہچکچاتا ہے۔ انہوں نے یہ اعلان بھی کیا کہ وہ ہر لحاظ سے مسیح ابن مریم سے افضل ہیں اور جو کام انہوں نے کیے ہیں وہ حضرت عیسیٰ نہیں کر سکتے تھے۔ مرزا صاحب کے فرزند اور دوسرے سربراہ مرزا محمود احمد نے بھی یہودی تحریک قومیت کی حمایت کی، انہوں نے ۱۹۲۴ء میں لندن جاتے

ہوئے فلسطین میں قیام کے دوران ایسے بیانات دیئے جو یہود کی تائید میں تھے۔(۳۸)

اگرچہ اسلام کے آغاز اور اس کی ترقی کے ساتھ ہی ہمیں کئی یہودی سازشوں کا پتہ چلتا ہے لیکن گذشتہ صدی میں یہ دو تحریکیں واضح طور پر یہودیت نواز مقاصد لے کر اٹھیں ان کی بقاء غیر ملکی آقاؤں اور اسلام دشمن طاقتوں سے تعاون اور اسرائیل کی حمایت پر مبنی قرار دی جاتی ہے۔

مسلم عہد میں یہود کی حالت

یروشلم پر عرب اقتدار ۶۳۶ سے ۱۰۷۲ء تک قائم رہا، اس کے بعد سلجوقوں کی حکومت ۱۰۹۹ تک رہی، اسی عہد میں عربوں نے شہر رملہ تعمیر کیا۔ ۱۰۹۹ء میں صلیبی جنگوں کا آغاز ہوا۔ صلیبیوں نے بیت المقدس فتح کر کے ستر ہزار مسلمانوں کو شہید کر دیا۔ ۱۱۰۷ء میں سلطان صلاح الدین ایوبی نے قبلہ اوّل کو عیسائی تسلط سے آزاد کرایا۔ صلیبی جنگیں ایک صدی تک جاری رہیں۔ ۱۲۹۱ سے ۱۵۱۶ء تک یروشلم پر مملوک حکومت رہی اس کے بعد یہ سلطنت عثمانیہ کا حصہ بنی۔

یہودیوں کو جو امن اور ترقی مسلم عہد خصوصاً قرونِ وسطیٰ میں حاصل ہوئی وہ کسی یورپی ملک میں موجود نہ تھی۔ سپین اور پرتگال کی عیسائی حکومتوں نے ان کو زبردستی عیسائی بنایا اور طرح طرح کے مظالم توڑے۔ مسلم سپین میں یہودی اعلیٰ عہدوں پر فائز تھے۔ وہ سیاست میں حصہ لیتے ان کا مسلم آبادی کے بااثر طبقے سے گہرا معاشرتی میل جول اور ادبی سطح پر رابطہ قائم تھا۔ چونکہ مسلم علماء عربی زبان میں اپنے مذہبی مقدس کلام اور شاعری کی طاقت کو اسلامی قوت کا سرچشمہ سمجھتے تھے اس لیے یہودیوں نے اپنے آپ کو عربی قواعد وعلوم اور اعلیٰ ذوق کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کی۔ یہی وجہ ہے کہ اعلیٰ عربی اسلوب بیان کی مہارت حاصل کرنا اور عبرانی بائبل کی تحریروں پر دسترس سے اپنے ورثہ اور شاعری کو جدید عبرانی قافیہ میں عربی طرز پر ڈھالنا مہذب یہودیوں کا طرۂ امتیاز بن گیا--- اس علمی ماحول میں اور عربوں کی سنواری ہوئی سائنس سے یہودی ادبی ذوق میں سرگرمی پیدا ہوئی۔ اس بناء پر یہ زمانہ ۱۰۰۰ء سے ۱۱۸۸ء تک سنہری دور کہلاتا ہے۔(۳۹)

اسلامی ممالک میں یہود کو اہلِ کتاب ہونے کی وجہ سے احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ اور عیسائیوں کے مقابلے میں مسلمان ان سے زیادہ اچھے تعلقات رکھتے تھے۔ کیونکہ یہودی توحید کے قائل تھے جبکہ عیسائی تثلیث اور کفارہ کو مانتے تھے۔ مسلمان یہودی احبار و رہبان کی قدر کرتے تھے اور ان کو مذہبی آزادی تھی۔ حضرت عمرؓ نے ذمیوں کے ساتھ جو معاہدہ کیا تھا اس پر اموی اور عباسی دور میں سختی سے عمل نہ ہوتا تھا۔ اعلیٰ تعلیم اور دماغ کے حامل یہود سیاسی عہدے حاصل کرتے تھے۔ اگرچہ ذمی جزیہ ادا کرتے تھے جو ان کی دولت کے حساب سے ادا کیا جاتا تھا۔ اور ذمی کسان پیداوار کے حساب سے ادائیگی کرتے۔ لیکن ان ممالک نے جہاں مسلمانوں کی معیشت ترقی کی طرف رواں دواں تھی (اور سترہویں صدی عیسوی تک اکثر علاقوں میں ایسا ہی تھا) ذمیوں کو معاشی طور پر الگ تھلگ نہ کیا گیا تھا۔ وہ پورے آزادانہ طور پر مسلمانوں کے زیرِ اثر ممالک کی ابھرتی ہوئی صنعت و تجارت میں حصہ لیتے تھے۔ یہودی مورخ سلزر (Seltzer) لکھتا ہے:

> ''نئے نئے شہروں کا قیام اور پرانے شہروں کی تعمیرِ نو سے ان کی آمدنی میں اضافہ ہوتا رہا۔ عرب افواج نے بصرہ، کوفہ، قاہرہ، قیروان (تیونس) میں فوجی چھاونیاں قائم کیں اور عباسی عہد کے دارالحکومت بغداد میں نئے تجارتی اور انتظامی مراکز بنے۔ یہود نے ان سرگرمیوں سے کافی فائدہ اٹھایا۔ اکثر یہودی اعلیٰ کاریگر تھے اور چمڑے، رنگ سازی، پارچہ بافی، لوہے اور دیگر صنعتوں سے وابستہ تھے۔ ان کا اونچا طبقہ تجارتِ خارجہ اور لین دین کے کاروبار میں ماہر تھا۔ ان یہود کی نسلوں ہی نے بعد میں بینکاری کے نظام کو ترقی دی اور اسے مغرب میں روشناس کرایا۔ یہودیوں کے درمیانہ طبقہ نے قرون وسطیٰ کے اسلامی عہد میں جو ترقی اور اہمیت حاصل کی اس کی یہودی تاریخ میں مثال نہیں ملتی''۔(۴۰)

یوسف ظفر مرحوم نے یہودیت کی تاریخ پر ایک نہایت عمدہ کتاب ترتیب دی ہے۔ اس میں یہودیوں کی سازشوں، عیسائی حکمرانوں کے تحت حالتِ زار اور مسلم عہد میں ان کی ترقیات کا ذکر

ہے۔ اس کا ایک اقتباس درج ذیل ہے:

''حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت سے لے کر خلیفہ المتوکل (۸۴۷ء تا ۸۶۱ء) کے دور تک وہ مذہبی سماجی اقتصادی اور تمدنی طور پر اتنے آزاد و خودمختار رہے کہ عامۃ المسلمین اور ان کے درمیان کوئی فرق نہ تھا۔ مصر، فلسطین، شام اور ایران غرض کسی جگہ سے بھی بے دخل نہ کیا گیا۔ وہ زمینوں کے مالک بھی تھے اور کاروبار بھی بلا روک ٹوک کر کے انہوں نے شام، عراق اور ایران میں اپنے مخصوص طرزِ حیات کو ترویج دی۔ ان کے اسقف اعظم بابل، آرمینیہ، ترکستان، ایران اور یمن میں اپنے اپنے علاقوں کے یہود کے لیے شہزادوں کی حیثیت رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ اسلامی ممالک میں ان کے احترام میں مسلمانوں کا اٹھ کر سر جھکانا فرض ہوگیا تھا۔ اسقف کا عہدہ ایک گھرانے کے لیے مخصوص تھا۔ اس لیے اسے مذہبی وقار کے ساتھ سیاسی مقام بھی حاصل تھا۔ حضرت علیؓ کے زمانۂ خلافت سے انہیں ''عالی مرتبت'' اور کینون کے خطابات سے یاد کیا جاتا تھا۔ ہسپانیہ میں مسلمانوں کا زریں دور یہود کا زریں دور بھی تھا۔ ان کی مذہبی، سماجی اور اقتصادی آزادی پر کوئی قید نہ تھی۔ مسلمانوں نے یہود کو امورِ سلطنت سونپے اور افواج میں بھرتی کیا۔ یہاں تک کہ وہ وزیرِ اعظم بھی تھے، سفیر بھی، عالم بھی تھے۔ تاجر بھی، زمیندار بھی، کاشتکار بھی، صنعت پیشہ بھی، سود خور بھی اور مال مویشیوں کے بیوپاری بھی۔ غرض ہر شعبہ حیات پر ان کی مہر ثبت تھی۔ ہر شہر اور ہر بستی میں ان کی جداگانہ بستیاں قائم تھیں۔ جن کے بام و در قلعہ نما تھے۔ ان بستیوں میں ان کو اجازت تھی کہ وہ اپنے مقدموں کے فیصلے خود کریں۔ یہاں تک کہ اپنے مجرم کو وہ پھانسی دینے تک کے مجاز تھے۔ یورپ کے ہر شہر اور قصبے میں بسنے کے باعث ان پر سفر کی کوئی پابندی نہ تھی۔ وہ بلا روک ٹوک قرطبہ سے بغداد تک خشکی کا سفر کرتے۔ اس طرح ان کے تصرف میں بیرونی تجارت بھی

مکمل طور پر آ گئی اور انہیں بابل، بغداد، اسکندریہ اور روم کے مذہبی مراکز کے ساتھ رشتہ استوار کرنے کا موقع بھی حاصل تھا۔ پھر وہ فکر و فلسفہ جسے اندلس میں مسلمانوں نے پروان چڑھایا ان کی وساطت سے یہود تک پہنچا۔ قرطبہ، غرناطہ، اشبیلیہ، طلیطلہ وغیرہ میں ان کے مذہبی اسکول رائج ہوگئے جن میں مذہبی تعلیم کے ساتھ ساتھ ادب، موسیقی، ریاضی، نجوم، طب اور فلسفہ بھی پڑھایا جاتا تھا۔ اس تعلیم و تربیت سے یہود اپنے مسلمان حکمرانوں کی طرح متمدن ہوگئے''۔(۴۱)

صیہونیت کی ابتداء

انیسویں صدی کے اوائل میں یورپ کی نوآبادیاتی طاقتوں نے اپنے سیاسی مفادات کے لیے یہودی قوم پرستی کو ہوا دی۔ اور اس وقت کی سب سے بڑی عثمانی حکومت کو توڑنے کی سازشیں کیں۔ اس مقصد کے حصول کے لیے ۱۸۹۷ء میں یہودی صحافی تھیوڈر ہرزل نے بیسل Basle سوئیٹزرلینڈ میں پہلی صیہونی کانگریس منعقد کی اور عالمی صیہونی تنظیم کی بنیاد رکھی۔ یہ یہود کی قومی تحریک تھی۔ ہرزل نے سلطان عبدالحمید کو مالی امداد کا لالچ دے کر فلسطین کا سودا کرنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ اس کے بعد یہودیوں نے یورپی طاقتوں خصوصاً برطانیہ سے سازباز کی۔ برطانوی سامراج نے اوّل تو پہلی جنگ عظیم کے دوران ۲ نومبر ۱۹۱۷ء کو اعلان بالفور کے بعد یہودیوں کے الگ وطن کے قیام کو تسلیم کیا، دوسرے اسرائیلی آبادکاروں کو فلسطین میں بسانے کے لیے ہر ممکن تدابیر اختیار کی گئیں۔ فلسطینی اپنی سرزمین پر کسی قسم کے یہودی تسلط کے خلاف تھے۔ اس لیے انہوں نے متعدد بار شدید مزاحمت کی اور سیاسی تحریکیں چلائیں لیکن برطانوی انتدابی انتظامیہ نے فلسطینی عربوں پر مظالم کا سلسلہ برقرار رکھا۔ فلسطینی مسلمانوں کی رہنمائی کا فریضہ یروشلم کے مفتی اعظم سید امین الحسینیؒ نے انجام دیا۔ دوسری جنگ عظیم میں یہودیوں کے دہشت پسند گروہ ہگانہ، سٹرن وغیرہ فلسطینیوں کا قتلِ عام کرتے رہے۔ ۱۹۴۸ء میں امریکہ اور یورپ کی بھرپور حمایت کے نتیجے میں یہودی مملکت اسرائیل قائم ہوگئی۔

یہودیت عہد جدید میں

موجودہ زمانہ میں یہودیت کا اہم اعصابی مرکز امریکہ میں واقع ہے اور ان کی حکومت اسرائیل میں قائم ہے۔ یہودی اپنی مذہبی حیثیت کو ثانوی درجہ دے چکے ہیں اور تحریک صیہونیت Zionism کی طرف زیادہ جھکاؤ رکھتے ہیں۔ امریکہ اور یورپ کی سیاسی امداد سے مادی ترقی و تعلیم سودی کاروبار، عالمی مالیات پر کنٹرول، مادی طرزِ فکر اور اسرائیل کا بقاء ان کا بنیادی مطمئ نظر ہے اس کے حصول کے لیے وہ تمام اخلاقی، دینی اور سیاسی اصولوں کو پسِ پشت ڈال چکے ہیں۔ گذشتہ نصف صدی سے فلسطینی عوام پر مظالم کے پہاڑ توڑ رہے ہیں، وہ مسجد اقصیٰ کو گرا کر وہاں ہیکل سلیمانی تعمیر کرنا چاہتے ہیں۔ اپنے تحفظ کے لیے یہود امریکہ اور یورپ کی سیاست میں گہرا کردار ادا کرتے ہیں۔ ان ممالک میں ان کے ربی محض چند رسومات اور روایتی عبادات کی ادائیگی کا فریضہ انجام نہیں دیتے بلکہ وہ اسرائیل کی ترقی و بقاء کے لیے سرگرم رہتے ہیں۔ جس کے لیے وہ رائے عامہ اور سیاسی لیڈروں کو متاثر کرتے ہیں۔ امریکی انتخابات کے دوران ان کے معابد سیاسی سرگرمیوں کے مراکز ہوتے ہیں۔ یورپی اقوام کی پشت پناہی نے ان کو خودسر بنا دیا ہے اور ناانصافی کی راہ پر ڈال دیا ہے۔ ان کے لیے اب بھی اللہ کا واضح ارشاد موجود ہے:

> ''ان یہودیوں پر ذلت کا ٹھپہ لگا دیا گیا ہے جہاں بھی یہ پائے جائیں گے مگر ایک ایسے سبب سے جو اللہ کی طرف سے ہے اور ایک ایسے سبب سے جو لوگوں کی طرف سے ہے اور اللہ کے غضب کو لے کر لوٹے ہیں اور ان پر مسکنت مسلط کر دی گئی ہے'' (۴۲)

یہودی اور عیسائی اگرچہ ایک دوسرے کے سخت دشمن رہے ہیں لیکن جدید عہد کے سیاسی اور معاشی تقاضوں نے ان کو ایک دوسرے کا دوست بنا دیا ہے۔ مشرقی یورپ کی ریاستوں کے ٹوٹنے اور کمیونزم کے خاتمے کے بعد پولینڈ، روس اور رومانیہ کے یہودی اسرائیل کی معاشی تعمیر و ترقی میں ایک خاص کردار ادا کر رہے ہیں۔

یہاں اس بات کی وضاحت کرنا ضروری ہے کہ مسلمان یہودیت کو بطور مذہب اور یہود

کے وجود کو بطور قوم دشمن قرار نہیں دیتے۔ چاہے ان کے اندر کتنی ہی مذہبی و اخلاقی کمزوریاں اور حق کی مخالفت کا جذبہ موجود ہو۔ وہ ان کے عقائد، اکابر اور معبد کا احترام کرتے ہیں۔ انہیں اصل اعتراض تحریکِ صیہونیت اور اس کی پالیسیوں پر ہے۔ جس نے عالمی طاقتوں کی پشت پناہی سے فلسطینیوں کے حقوق پامال کر رکھے ہیں۔ اور ان کے خلاف ظلم و تشدد کا سلسلہ جاری کیا ہوا ہے۔ صیہونیت اور اس کی ذیلی تنظیموں نے جس اسرائیلی فکر کی آبیاری کی ہے اور جس انداز کا تہذیبی تصادم پیدا کیا ہے وہ عالم اسلام کے لیے تشویش کا باعث ہے۔ اور یہی اختلاف کو جنم دیتا ہے۔

گذشتہ نصف صدی کی اسرائیل کی سیاسی اور تہذیبی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسرائیلی معاشرہ داخلی شکست و ریخت کا شکار ہے، نوجوان نسل سیکولر نظریات اور مادیت کے شیدائی ہیں، مذہب کی وہ قدیم اقدار جو گذشتہ صدیوں میں یہود نے سختی سے اپنا رکھی تھیں کمزور پڑتی جا رہی ہیں۔ وہ مغربی معاشرے میں اپنا وجود برقرار رکھنے کی تگ و دو کر رہے ہیں۔ اور اسرائیل کی کثیر النسلی سوسائٹی میں نمودار ہونے والے مسائل سے دوچار ہیں۔

سیکولر رجحانات

یہودی مفکرین اسرائیل کے قیام کے بعد اس کی بقاء اور نوجوان یہودیوں کے مذہب کے بارے میں ابھرتے ہوئے خدشات سے بہت فکرمند ہیں۔ پروفیسر فیکن ہائم نے اپنی کتاب یہودیت کیا ہے؟ میں تحریر کیا: ''میں اعتراف کرتا ہوں کہ یہودیت ابتداء ہی سے ایسا عقیدہ تھا جس پر سوالیہ نشان مسلط رہا؟ اب یہودیوں کو سیکولر ازم اور جدیدیت کا سامنا ہے''۔ اس نے اپنی کتاب میں پہلے ان یہودیوں کو مخاطب کیا ہے جو موجودہ عہد میں قدیم یہودی افکار پر عمل پیرا ہونے میں مشکلات کا سامنا کر رہے ہیں۔ پھر وہ ان سے مخاطب ہوتا ہے جو اپنے مذہب پر رسمی طور پر کاربند ہیں۔ اس کے علاوہ وہ ان یہودی گروہوں سے خطاب کرتا ہے جو نازیوں کے مظالم کا شکار ہوئے اور اس کے باوجود خدا پر یقین برقرار رکھا۔ ان میں ایسے طبقات بھی تھے جن کا خدا پر ایمان جاتا رہا، آخر میں اس

نے اس سوال پر توجہ مرکوز کی ہے کہ خدا پر یقین مذہب کی بنیادی حقیقت ہے اور اس کا انسان کی شخصی زندگی میں گہرا کردار ہے۔ اس نے نوجوان نسل کو سیکولر اقدار کے مقابلے میں مذہب پر کاربند ہونے کو اسرائیل کی بقاء اور یہودیت کے فروغ کا ذریعہ قرار دیا ہے۔(۴۳)

مغربی معاشرے میں یہود کی ترقی و بقاء

مسلم دنیا میں یہود کا وجود تیزی سے کم ہوگیا ہے۔ کیونکہ یہ امریکہ و یورپ اور اسرائیل میں بستے جا رہے ہیں۔ جہاں ان کو بہت سی مراعات میسر ہیں۔ یورپی مفکرین اس بات کا جائزہ لے رہے ہیں کہ وہ دنیا کی مختلف تہذیبوں میں اپنے وجود کو کیسے برقرار رکھ سکتے ہیں اور ترقی کر سکتے ہیں۔ اس ضمن میں دو سوالات زیرِ بحث آتے ہیں۔

..... یہودی غیر یہود کے درمیان کیسے رہیں؟
..... کیا یہودی غیر یہود کے درمیان رہ سکتے ہیں؟

ان سوالوں پر گفتگو سے پہلے یہ بات ذہن میں رہے کہ یہود کئی سو سال تک ایک الگ حیثیت میں رہے لیکن اب ان میں یہ احساس پیدا ہو رہا ہے کہ انہیں کم از کم مغربی معاشرے میں گھل مل کر رہنا ہوگا۔ جیکب ناسز نے یہودیت جدید عہد میں(۴۴) نامی تصنیف میں اس موضوع پر بحث کی ہے اور ۱۹ ویں صدی کے بعد مغربی معاشرے میں رائج سیاسی، معاشی اور تہذیبی نظریات اور یہودیت میں اٹھنے والی تحریکوں خصوصاً قدامت پسند Conservative، اصلاحی Reform Judaism، صیہونیت Zionism، یہودی سوشلزم Jewish Socialism اور امریکی یہودیت American Judaism پر خیال آرائی کی ہے۔ اس کا خیال ہے کہ یہودی مختلف معاشروں اور تہذیبوں میں اپنے عقیدے پر عمل کر کے ایک اہم مذہبی تجربہ کر سکتے ہیں جو ان کی بقاء اور ترقی کا ضامن ہوسکتا ہے۔ اس نے اس تجربہ کی مذہبی اور ثقافتی اساس پر زور دیا ہے۔(۴۴)

داخلی تقسیم

اسرائیل کے پچاس لاکھ صیہونی یہود بنیادی طور پر دو بڑے نسلی طبقوں میں منقسم ہیں، ایک مشرقی اور مغربی یورپ کے یہودی ہیں جو اشکنازی کہلاتے ہیں اور دوسرے سپین اور مشرق وسطیٰ کے یہودی ہیں جن کو سفاردی کہا جاتا ہے۔ یورپ اور امریکہ سے اسرائیل میں آباد ہونے والے یہودی مالدار اور امیر ہیں۔ عرب ممالک کے یہود زیادہ تر محنت کش طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ اسرائیل میں حکومت کی تشکیل میں تمام تہذیبوں اور نسلوں کے لوگ شریک ہوتے ہیں ان میں روسی تارکین وطن، مذہبی صیہونی، الٹرا آرتھوڈوکس، ربی اور مشرق وسطیٰ کے سفاردی شامل ہوتے ہیں۔ اکثر سیاسی پارٹیاں محدود نسلی، مذہبی اور قبائلی حلقوں کی نمائندگی کا فریضہ انجام دیتی ہیں۔ لیکن سیکولر نظریات کے حامی زیادہ ترقی پسند سمجھے جاتے ہیں اور ان کا حلقہ اثر وسیع ہے۔ اسرائیل کا سیکولر اور مذہبی طبقہ ایک دوسرے کا مخالف رہا ہے۔ اسرائیلی نوجوان سیکولرازم اور مغربی تہذیب کے دلدادہ ہیں۔ فلسطینی علاقوں پر تسلط جمانے اور مجبور فلسطینیوں پر مظالم کے باعث اسرائیل کے عوام ایک انجانے خوف کا شکار ہیں۔ جو خود ان کا پیدا کردہ اور سیاسی جارحیت کا نتیجہ ہے۔ گذشتہ نصف صدی کے واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ اسرائیلی معاشرہ داخلی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے۔ وہ مختلف اور متصادم نسلوں، تہذیبوں اور رنگوں کے یہودیوں کی آماجگاہ بن چکا ہے۔ جن کی آویزش اس کے انحطاط پر منتج ہوگی۔

اسرائیل کی گذشتہ تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ اس نے پرامن بقاء کے اصول پر عمل نہیں کیا۔ فلسطین پر برطانیہ کے انتدابی عہد ۱۹۱۹ء سے ۱۹۴۸ء تک اور اس کے بعد ۱۹۴۸ء میں اس کے قیام سے موجودہ عہد ۲۰۰۱ء تک یہودی صیہونیوں نے فلسطینیوں کے ساتھ کئے گئے اوسلو Oslo اور دیگر معاہدوں کا انکار کیا۔ مغربی یورپ اور امریکہ میں اپنے اثر و رسوخ کے باعث اسرائیل اپنا وجود قائم رکھے ہوئے ہے لیکن ایک وقت آئے گا جب صیہونیوں کو اپنی غلطیوں کا شدت سے احساس ہوگا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ مستقبل قریب میں یہودی مسیح موعود یعنی دجال کا ظہور ہو اور اس کو حقیقی مسیح ابن مریم اور امام مہدی ظہور فرما کر کیفر کردار تک پہنچا دیں اس طرح حق و باطل کا فیصلہ ہو جائے گا۔

حوالہ جات

۱۔ S.A. Nigosian, World Faiths, Ny,1990, P.96. نیز Trevor Ling نے اپنی کتاب A History of Religions and West, MacMillan London 1968 pp 16-20 East میں قدیم اسرائیل کے تاریخی مآخذ میں بنیادی اہمیت عہد نامہ قدیم کو دی ہے لیکن موجودہ زمانے کے عصری اکتشافات تاریخ کی گم شدہ کڑیاں ملانے میں مدد دے رہے ہیں۔

۲۔ ایضاً ص ۹۷

۳۔ سورہ الصفت ۱۲۵/۳۷

۴۔ سلاطین باب-۱۹-۲۷/۲۶

۵۔ Robert M. Seltzer, Jewish People, Jewish Thought: The Jewish Experience in History, MacMillan Ny, 1980, P.85

نیز ملاحظہ ہو انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجز اینڈ ایتھکس۔ بعل Baal

۶۔ S.A. Nigosian, World Faiths, p.97

۷۔ انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجنز اینڈ ایتھکس- باب Jews اور Israel

۸۔ Henry H.Halley, Pocket Bible Handbook, Illinois, USA,

p.252-253

۹۔ سلاطین دوم ۱۷-۱۱ تا ۱۹

۱۰۔ سورہ بقرہ-۶۱، نیز ۸۷ تا ۹۰

۱۱۔ Robert Seltzer, Jewish Experience in History, p.116

۱۲۔ Trevor Lins, op. cit p.117.

۱۳۔ Nigosian, op. cit. p-111

۱۴۔ Y.Yadin, The Message of the Scrolls, Ny, 1957, Chapter 18

۱۵۔ انجیل مرقس- باب ۷، ۸ اور ۹

۱۶۔ Seltzer, op. cit. p-9

۱۷۔ ماخوذ مقالہ انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا- یہودیت نیز Vallentines Jewish Encyclopedia, pp93-94

۱۸۔ Baer Yitzhak, History of the Jews in Christian Spain, Jewish Publication Society of America, 1961, pp 19-20

۱۹۔ مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی، یہودیت و نصرانیت، اسلامک بک پبلشرز، کویت ۱۹۷۶ء، ص۲۲۶

۲۰۔ ایضاً ص ۲۲۸

۲۱۔ ایضاً ص۲۸۲

۲۲۔ کتاب یسعیاہ باب ۱:۴۵

۲۳۔ سلیمان کی دعا-- پاکٹ بائبل ہینڈ بک مرتبہ ہنری ہیلے، ای نائے امریکہ ۱۹۴۸ء ص ۲۲۸ پر مسیح کی آمد ذات وصفات، داؤدی گھرانے سے نسبت اور بہت سے امور مذکور ہیں۔

۲۴۔ Robert M. Seltzer, Jewish People, Jewish Thought, Jewish Experience in History, London, 1980, p229-231

۲۵۔ انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجنز اینڈ ایتھکس-جھوٹے مسیح موعود

۲۶۔ Selzer, The Jewish Experience in History p.377-9

۲۷۔ معتزلہ کے علم الکلام سے یہودی فرقے کرایۃ Karaite نے بہت استفادہ کیا اور گیارہویں صدی عیسوی میں فلسطین میں اسے عام کیا ربیوں نے اسے مشرق وسطی اور شمالی افریقہ میں متعارف کرایا۔ یہودی فلسفی سعدیہ بن جوزف (۸۸۲-۹۴۲ء) نے اس موضوع پر بہت کام کیا، تفصیل کے لیے دیکھیں۔ Selzer, op cit pp 376-372

۲۸۔ ایضاً۔ ص ۳۸۲

۲۹۔ ایضاً۔ ص ۳۹۵

۳۰۔ Judaism, Edit by Arthur Hertzberg, Ny 1962 p41.

۳۱۔ Selzers op. cit p.430-2

۳۲۔ تفصیلی بحث کے لیے دیکھیں سلزر، حوالہ سابق، صفحات ۴۲۸ تا ۴۳۰

۳۳۔ مولانا مودودی، یہودیت ونصرانیت، ص ۲۲

۳۴۔ ملاحظہ کریں John Hick and Meltzer کی کتاب The Three Faith One God

اس میں مزمل صدیقی کے مقالے ''خدا-مسلم نقطہ نظر سے'' کا جواب Meltzer نے دیا ہے اور یہودی نقطہ نظر بیان کیا ہے۔ دیکھیے صفحات ۷۷ تا ۸۳

۳۵۔ Trevor Ling, A History of Religion East & West, Macmillan, London 1968 p. 362-3

۳۶۔ مرزا غلام احمد، مسیح ہندوستان میں، ربوہ ۱۹۶۸ء

۳۷۔ بشیر احمد، بہائیت اسرائیل کی خفیہ سیاسی تنظیم، اسلامک فورم راولپنڈی، ۱۹۹۳ء، صفحات ۳۲ تا ۳۵

۳۸۔ Bashir Ahmed, Ahmadyya Movement-British-Jewish Connections, ISF, Rawalpindi 1994.

۳۹۔ Encyclopedia Brittanica, Vol 10, p3-319

۴۰۔ Robert M. Seltzer, Jewish People, Jewish Thought, Jewish Experience in History, London, 1980, p231-2

۴۱۔ یوسف ظفر، یہودیت، ص ۱۵۰، لاہور

۴۲۔ پارہ ۳ آل عمران ۱۱۲

۴۳۔ Emil L. Fackenheim, What is Judaism, Ny 1987, pp 21-40

۴۴۔ Jacob Neusner, Judaism in Modern Times, Cambridge Mass, USA 1995. pp 2-21 (Introduction)

☆☆☆

منتخب کتابیات

1. Judaism-edit by Arthur Hertzburg, Ny,1962.
2. Ninian Smart, The World's Religions, Cambridge University Press, 1992.
3. Henry H. Halley, Pocket Bible Handbook, Illinois, USA, 1948.
4. SA. Nigosian, World Faiths, Ny 1990.
5. C.J.Adams, A Readers Guide to the Great Religions Ny, 1977.
6. Sokolow N, History of Zionism, London 1918.
7. Paul Johnson, A History of Jews, London 1987.
8. The World Religions, Edit by Sutherland, Houlden Clarke and Hardy, London 1988.

Articles:

1. Judaism, Albert H. Fried landu.
2. R.J. Coggins, Israel Before Christianity.

9. مولانا رحمت اللہ کیرانوی-بائیبل سے قرآن تک، مکتبہ دارالعلوم کراچی

10. عبدالکریم پاریکھ، یہودیت قرآن کی روشنی میں، اسلامک پبلیکیشنز، لاہور

11. Ward J. Fellows, Religions East & West, California, USA, 1979.

12. John Hick and Edmunds Melzer, Three Faiths-one God, library of Philosophy & Religion, London 1989.

13. Emil L. Fackenheim, What is Judaism, Ny 1987.

14. Robert M. Selzer, Jewish People Jewish Thought; The Jewish Experience In History, Mac..London, 1980.

15. Isidore Epstein, Judaism, Penguin. Books London, 1951.

16. I. Cohen, A short History of Zionism, London, 1951.

17. J. Heller, The Zionist Idea, London, 1949.

18. William Rushbrook, The State of Israel, London, 1957.

19. H. J. Zimmels, Ashkenazim and Sephardim, Oxford University press, London.

20. Trevor Ling, A History of Religions East and West, Mac, London, 1968.

21. Jacob Neusner, Judaism In Modern Times, Camb, Mass USA 1995.

22. جیوش انسائیکلو پیڈیا

23. انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا اورJews Zionism, Israel.

24. انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجنز اینڈ ایتھکس اورJewsJudaism